أحكام النعال

اردو ترجمہ

غاية المقال في ما يتعلق بالنعال

للإمام المحدث الفقيه محمد عبد الحي اللكنوي الهندي

ترجمہ وتحقیق وتعلیق

محمد عمیر شاملی

حجۃ الاسلام اکیڈمی

دار العلوم وقف دیوبند

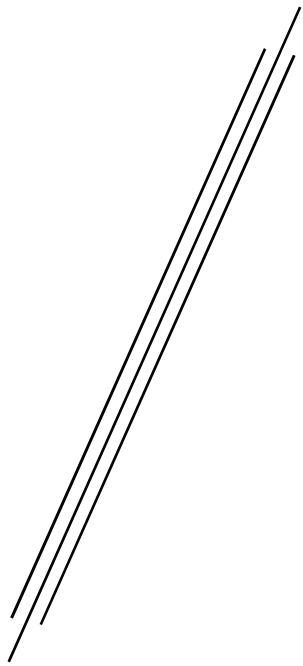

احکام النعال

اردو ترجمہ

غایۃ المقال فی ما یتعلق بالنعال

احکام النعال

اردو ترجمہ

غایۃ المقال فی ما یتعلق بالنعال

للإمام المحدث الفقیہ محمد عبد الحي اللکنوي الھندي

ترجمہ وتحقیق وتعلیق

محمد عمیر شاہلی
فاضل دار العلوم دیوبند

باھتمام: حجۃ الاسلام اکیڈمی، دار العلوم وقف دیوبند، سہارنپور، یوپی، الہند
جملہ حقوق بحق ناشر: حجۃ الاسلام اکیڈمی، دار العلوم وقف دیوبند محفوظ ہیں۔

Copyright © Hujjat al-Islam Academy
Darul Uloom Waqf Deoband
All rights reserved.

Hujjat al-Islam Academy
Al Jamia Al-Islamia Darul Uloom Waqf Deoband
Eidgah Road, P.O.Deoband - 247554,
Distt: Saharanpur U.P. India
Tel: +91 84394 12767, +91 92599 87074
Website: www.dud.edu.in
Email: hujjatulislamacademy@dud.edu.in,
hujjatulislamacademy2013@gmail.com
Printed at: Markazi Publications, New Delhi

ISBN 978-93-84775-50-6
9 789384 775506

أحكام النعال

اردو ترجمہ

غاية المقال فيما يتعلق بالنعال

للإمام المحدث الفقيه محمد عبد الحي اللكنوي الهندي

ترجمہ وتحقیق وتعلیق

محمد عمير شاملي

فاضل دار العلوم وقف ديوبند

ناشر

حجة الإسلام أكيدمي

دار العلوم وقف ديوبند

فہرست

شمار نمبر	مضامین	صفحہ
۱	**دعائیہ کلمات** حضرت اقدس مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند	۱۳
۲	**تقریظ** مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند	۱۵
۳	**مقدمہ** مولانا مفتی امانت علی صاحب قاسمی استاذ دارالعلوم وقف دیوبند	۱۸
۴	انتساب	۲۱
۵	اظہار تشکر	۲۲
۶	**حرفِ اوّلیں**	۲۳
۷	فخر الہند علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ لکھنویؒ: حیات وخدمات	۲۷
۸	ولادت	۲۷
۹	نام اور سلسلہ نسب	۲۷
۱۰	''فرنگی محل'' کی طرف نسبت	۲۸
۱۱	تعلیم وتربیت	۲۹
۱۲	علمی انہماک	۲۹

۱۳	علامہ لکھنویؒ کا علمی تبحر	۳۰
۱۴	علمی تصانیف	۳۱
۱۵	چند شہرہ آفاق تالیفات	۳۳
۱۶	علامہ لکھنویؒ کا مسلک	۳۴
۱۷	علامہ لکھنویؒ کے بعض تفردات	۳۶
۱۸	وفات	۳۷
۱۹	**مقدمة المؤلف**	۳۸
۲۰	سبب تالیف	۳۸
۲۱	**مقدمۃ الکتاب**	۴۰
۲۲	نعل اور اس کے متعلقات کی لغوی تحقیق	۴۰
۲۳	نعل مذکر ہے یا مونث؟	۴۱
۲۴	نعل کے مختلف معانی	۴۱
۲۵	اعتراض اور اس کا جواب	۴۳
۲۶	مونث کی اقسام اور مونث غیر حقیقی کا طریقۂ استعمال	۴۴

الباب الأول

نعال کے مختلف النوع احکام ومسائل کا بیان

۲۷	پہلی فصل: وضو اور اس کے متعلقات کا بیان	۴۸
۲۸	جوتا پہن کر وضو کرنا	۴۸

۲۹	جوتوں پر مسح کرنا	۴۸
۳۰	مسح علی النعلین والی روایات کے جوابات	۵۱
۳۱	ابو داؤد میں مذکور مسدد اور عباد والی روایت میں أوس ابن أبی أوس ثقفی سے کون مراد ہیں؟	۵۲
۳۲	حدیث مغیرہؓ کا درجہ	۵۳
۳۳	فقہا کے قول منعل کا مطلب	۵۴
۳۴	دوسری فصل: طہارت ونجاست کا بیان	۵۶
۳۵	خفین اور نعلین کو پاک کرنے کا طریقہ	۵۶
۳۶	خفین اور نعلین کو دھوکر پاک کرنے کا طریقہ	۵۷
۳۷	کیا ناپاک کپڑا زمین پر رگڑنے سے پاک ہوجائے گا؟	۶۲
۳۸	تیسری فصل: نماز اور اس کے متعلقات کا بیان	۶۵
۳۹	جوتے پہن کر مسجد میں داخل ہونا	۶۵
۴۰	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۶۶
۴۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جوتا اتارنے کی توجیہ:	۶۷
۴۲	﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾ سے متعلق امام رازیؒ کے نکات	۶۸
۴۳	خلاصۂ بحث	۷۲
۴۴	جوتے پہن کر مسجد میں دخول کے عدم جواز کی دلیل	۷۲
۴۵	محقق اور مفتی بہ قول	۷۲
۴۶	مفتی بہ قول کی تائید	۷۳

۴۷	ایک سبق آموز واقعہ	۷۳
۴۸	جوتے چپل پہن کر نماز پڑھنا	۷۳
۴۹	جوتا پہن کر نماز پڑھنے کی روایات	۷۴
۵۰	حافظ ابوزرعہ عراقیؒ پر تعریض	۷۹
۵۱	"الصلاة في النعال" اور محدثین کا نظریہ	۷۹
۵۲	جوتے پہن کر نماز پڑھنے کے سلسلے میں راجح قول	۸۱
۵۳	جوتوں میں نماز پڑھنے کی شرط	۸۲
۵۴	نماز کے لیے جوتوں کے پاک ہونے کے شرط ہونے کی دلیل	۸۲
۵۵	کیا حضور ﷺ کا فعل وجوب کی دلیل ہے؟	۸۵
۵۶	جوتے چوری ہونے کی صورت میں نماز توڑنے کا حکم	۸۶
۵۷	نماز کے دوران جوتے چپل کہاں رکھیں؟	۸۷
۵۸	جوتے ہاتھ میں اٹھانے کا طریقہ	۸۷
۵۹	جوتوں کے لیے ایک تھیلی ساتھ رکھیں	۸۸
۶۰	دوران نماز موذی جانوروں کو جوتے سے مارنے کا حکم	۹۰
۶۱	ایک شبہ کا ازالہ	۹۰
۶۲	دوران نماز بچھو کو قتل کرنے کا حکم	۹۱
۶۳	درجہ حدیث	۹۲
۶۴	امام کا مقتدی کے جوتے کی آہٹ سن کر رکوع لمبا کرنا	۹۳
۶۵	مختلف فقہی کتابوں سے استدلال	۹۰۳

٦٦	فقہا کے قول ''لا بأس'' کا مفہوم	۹۴
٦٧	جوتے پہن کر ناپاک جگہ پر نماز پڑھنا	۹۷
٦٨	عبارات فقہا کی روشنی میں "إذا ابتلت النعال فالصلاة في الرحال" کی تشریح	۹۸
٦٩	بارش اور سخت ٹھنڈ میں ترک جماعت کی رخصت	۹۹
٧٠	چوتھی فصل: حج وعمرہ میں نعال کے مسائل واحکام	۱۰۱
٧١	محرم کے لیے چپل پہننے کا حکم	۱۰۱
٧٢	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۱۰۳
٧٣	جوتے پہن کر طواف کرنا	۱۰۵
٧٤	کتاب الحج میں نعل کی مراد فقہا کی زبانی	۱۰۷
٧٥	پانچویں فصل: جہاد کا بیان	۱۱۱
٧٦	چھٹی فصل: قسم کا بیان	۱۱۲
٧٧	"لا يضع قدمه في دار فلان" کی قسم کھانا	۱۱۲
٧٨	حقیقت اور مجاز کا جمع کرنا	۱۱۲
٧٩	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۱۱۳
٨٠	"لا يلبس هذا النعل" کے ذریعے قسم کھانا	۱۱۳
٨١	طلاق کو نعل پر معلق کرنا	۱۱۴
٨٢	ساتویں فصل: حدود کا بیان	۱۱۵
٨٣	شرابی کو جوتے سے مارنا	۱۱۵
٨٤	شراب نوشی کی حد	۱۱۷

۸۵	شراب نوشی کی حد پر اجماع	۱۱۹
۸۶	آٹھویں فصل: خرید وفروخت کا بیان	۱۲۱
۸۷	جوتے چپلوں میں استصناع کرنا	۱۲۱
۸۸	استصناع کے سلسلے میں ائمہ کے مذاہب	۱۲۱
۸۹	اعتراض اور اس کا جواب	۱۲۲
۹۰	استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع ہے؟	۱۲۴
۹۱	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۱۲۴
۹۲	استصناع میں معقود علیہ: شئ یا عمل؟	۱۲۵
۹۳	استصناع میں خیار	۱۲۵
۹۴	استصناع بیع سلم ہے یا نہیں؟	۱۲۶
۹۵	بائع سے چمڑا اور جوتا اس شرط پر خریدنا کہ وہی اس کا جوتا یا تسمہ بنائے گا	۱۲۷
۹۶	نویں فصل: حظر واباحت کا بیان	۱۲۸
۹۷	جوتے پہننے کا شرعی حکم	۱۲۸
۹۸	''أیمان'' کا مدار عرف پر ہے	۱۳۰
۹۹	اہل کتاب کی مخالفت کا حکم	۱۳۰
۱۰۰	کبھی کبھی ننگے پیر چلنا	۱۳۱
۱۰۱	جوتا پہن کر چلنا افضل ہے یا ننگے پیر؟	۱۳۳
۱۰۲	ایک ضروری تنبیہ	۱۳۴
۱۰۳	ایک پیر میں جوتا پہن کر چلنا	۱۳۵

۱۰۴	ایک جوتا پہن کر چلنا احادیث سے ثابت ہے	۱۳۷
۱۰۵	ایک چپل پہن کر چلنے کی ممانعت کی وجہ	۱۳۸
۱۰۶	لکڑی کے جوتے پہننا	۱۴۰
۱۰۷	بلا اجازت کسی کا جوتا استعمال کرنا	۱۴۰
۱۰۸	جوتا پہننے اور نکالنے کا طریقہ	۱۴۱
۱۰۹	جوتا پہننے میں دائیں پیر سے ابتدا کرنے کی علت	۱۴۴
۱۱۰	جوتے اتار کر کہاں رکھیں؟	۱۴۶
۱۱۱	محقق قول	۱۴۷
۱۱۲	جوتا بیٹھ کر پہنے	۱۴۷
۱۱۳	کھانا کھاتے وقت جوتے اتارنا	۱۴۹
۱۱۴	کس رنگ کا جوتا پہننا بہتر ہے؟	۱۵۰
۱۱۵	پیلے رنگ کے جوتے پہننے کا صحیح حکم	۱۵۳
۱۱۶	زرد رنگ افضل ہے یا سفید؟	۱۵۵
۱۱۷	جوتوں کو جھاڑنا	۱۵۶
۱۱۸	درجہ حدیث	۱۵۷
۱۱۹	علامہ دمیریؒ کا مغالطہ	۱۵۷
۱۲۰	جھاڑنے کا حکم عمومی ہے	۱۵۸
۱۲۱	جوتا پہنتے وقت دوسروں کی مدد لینا	۱۵۹
۱۲۲	جوتا پہننے میں مدد کرنا	۱۶۰
۱۲۳	خنزیر کے بال کا حکم	۱۶۰

۱۲۴	خنزیر کے بال کی خرید وفروخت	۱۶۱
۱۲۵	خنزیر کے بالوں سے جوتا سینا	۱۶۲
۱۲۶	قبرستان میں جوتے پہن کر جانا	۱۶۳
۱۲۷	قبروں کا احترام	۱۷۰
۱۲۸	جوتے کا تسمہ ٹوٹنے پر انا للہ پڑھنا	۱۷۱
۱۲۹	عورت کا چاندی کا جوتا پہننا	۱۷۴
۱۳۰	شہر لکھنؤ میں چاندی کے مختلف انواع کے جوتوں کا استعمال	۱۷۴
۱۳۱	جوتے اور پوشاک کے احکام یکساں ہیں	۱۷۵
۱۳۲	کیا جنت اور جہنم میں بھی جوتے اور چپل ہوں گے؟	۱۷۶
۱۳۳	تحیۃ الوضو کی فضیلت	۱۷۶
۱۳۴	جہنم میں جوتے کا ثبوت	۱۷۸

الباب الثانی

نعلینِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

۱۳۵	پہلی فصل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارکہ کی تحقیق	۱۸۱
۱۳۶	''نعال سبتیہ'' کا بیان	۱۸۱
۱۳۷	جرداوین کا مطلب	۱۸۳
۱۳۸	''قبالان'' کا مطلب	۱۸۴
۱۳۹	دائیں طرف سے جوتا پہننے کا فائدہ	۱۸۸
۱۴۰	گفتگو کرتے اور سوتے وقت جوتے اتارنا	۱۸۹

۱۴۱	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کی تعداد	۱۹۰
۱۴۲	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کی کیفیت	۱۹۰
۱۴۳	تنبیہ	۱۹۱
۱۴۴	دوسری فصل: نعلین کے ساتھ سفر معراج کی تحقیق	۱۹۷
۱۴۵	واقعہ معراج اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عرش	۲۰۱
۱۴۶	صاحب النعلین عبداللہ بن مسعودؓ	۲۰۴
۱۴۷	خاصف النعل حضرت علی المرتضیٰؓ	۲۰۸
۱۴۸	نعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق	۲۰۹
۱۴۹	نعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ لینا	۲۱۳
۱۵۰	حجر اسود کو چومنا	۲۱۹
۱۵۱	بادشاہ اور عالم دین کے ہاتھ کو چومنا	۲۲۲
۱۵۲	چومنے کی اقسام	۲۲۲
۱۵۳	قرآن اور روٹی کو چومنا	۲۲۲
۱۵۴	**خاتمہ**	۲۲۴
۱۵۵	مدینہ کی آمد کا واقعہ	۲۲۵
۱۵۶	مزید کہاوت	۲۲۸
۱۵۷	جوتے کی تعبیر	۲۳۲
۱۵۸	کیا جوتا چھونا ناقض وضو ہے؟	۲۳۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعائیہ کلمات

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
استاذ حدیث و مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

مقامِ شکر و مسرّت ہے کہ دارالعلوم وقف دیوبند کے شعبۂ تخصص فی الافتاء کے فاضل عزیزم مولوی محمد عمیر قاسمی معین مدرس دارالعلوم وقف دیوبند نے اپنے مقالۂ سنویہ کے لیے امامِ محقق، فقیہِ دوراں حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے نہایت نفیس رسالہ ''**غایۃُ المقال فیما یتعلّق بالنعال**'' کو تحقیق، تنقیح اور باضابطہ ترجمہ کا موضوع اختیار کیا، عزیز مکرم نے جس عرقِ ریزی، دوامِ محنت، جستجوئے حقیقت اور علمی وقار کے ساتھ اس گراں قدر متن کی تحقیق و تدوین کا کام سرانجام دیا ہے وہ ان کے بلند علمی ذوق، فکرِ راسخ اور مذاقِ تحقیق میں پختگی اور روشن علمی مستقبل کے آثار کو نمایاں کرتا ہے کیونکہ ایسی کاوشیں محض معلومات کا ہی عنوان نہیں ہوتیں بلکہ اہتمامِ علم کے ساتھ تہذیبِ نفس اور تزکیۂ باطن کی آئینہ دار بھی ہوتی ہیں، درحقیقت، علم کی اصل حقیقت تطہیرِ باطن سے وابستہ ہے اور اس کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب اخلاصِ نیت دل و دماغ کی گہرائیوں میں راسخ ہو کر عمل پر دوام سے ہمکنار ہو جائے چنانچہ جب یہ دونوں عناصر تحصیلِ علم اور تزکیۂ نفس باہم متوازن انداز میں جلوہ گر ہوں تو ایک عالم کے لیے علمی و عملی بہر دو میدانوں میں قبولیت و رفعت کی راہیں ہموار ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور اس کی کوششیں عنداللہ بھی مقبول ہوتی ہیں اور عندالناس بھی ان

کو تحسین وتوقیر کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

تبریک وتہنیت کے ساتھ راقم السطور بارگاہِ ربِّ ذوالکرم میں دعا گو ہے کہ حق تعالیٰ جل مجدہ عزیزِ مکرم کی ان علمی جہود ومساعی کو اپنی جنابِ کریم میں مقبول فرمائیں اور انہیں علم وعمل کی مزید عظمتوں اور رفعتوں سے سرفراز فرماتے ہوئے اور دینِ متین کی بارآور خدمات کو بطور صدقۂ جاریہ ان کے حق میں قبولیت عطاء فرمائیں۔

آمین یا رب العالمین وماعلینا إلا البلاغ المبین

محمد سفیان قاسمی
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
مورخہ: ۱۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ
مطابق: ۶/نومبر ۲۰۲۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب
ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی
ونائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

الحمد للّٰہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین. أما بعد:

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ دارالعلوم وقف دیوبند کے شعبۂ تخصص فی الفقہ (سال دوم) کے طالبِ علم مولوی محمد عمیر قاسمی نے اپنے مقالۂ سنویہ کے طور پر امامِ جلیل، علامہ مولانا عبدالحي لکھنویؒ کے رسالہ "**غاية المقال فيما يتعلق بالنعال**" کی تحقیق، تخریج اور اردو ترجمہ کا کام انجام دیا۔

علامہ مولانا عبدالحي لکھنویؒ (۱۲۶۴ھ - ۱۳۰۴ھ) برصغیر کے ان ممتاز علما میں سے ہیں جنہوں نے اپنی قلیل عمر کے باوجود علومِ دینیہ کی متعدد شاخوں میں وہ گراں قدر خدمات انجام دیں جو آج بھی علمی دنیا میں مرجع ومستند کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فقہ، حدیث، رجال، تاریخ اور تراجم کے میدان میں ان کی گہری بصیرت، دقیق فہم اور غیر معمولی تبحر کا اعتراف قدیم وجدید تمام اہلِ علم نے کیا ہے۔ ان کی تصانیف، خصوصاً "**الرفع والتكميل في**

الجرح والتعديل، أحكام القنطرة في أحكام البسملة، الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة اور الفوائد البهية في تراجم الحنفية'' ان کے وسعتِ مطالعہ، قوتِ استحضار اور علمی عمق پر روشن دلیل ہیں۔ ان کی تحریروں میں علم کی گہرائی، اسلوب کی شستگی اور استدلال کی پختگی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے، جو انھیں اہلِ علم کے درمیان ایک منفرد مقام عطا کرتی ہے۔

یہ رسالہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت وقیع اور جامع تصنیف ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مولانا عبدالحي فرنگی محلیؒ نے اس مختصر مگر پرمغز رسالہ میں جوتوں (نعال) سے متعلق تمام ہی ممکنہ فقہی وعملی مسائل کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ جمع کر دیا ہے، تو مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ رسالہ درحقیقت اپنے موضوع پر ایک مختصر مگر جامع موسوعہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں فقہی بصیرت، استنباطی قوت، اور اسلاف کے علمی ذوق کی جھلک نمایاں ہے۔

مولوی محمد عمیر قاسمی نے اس علمی میراث کو نہایت محنت، ذوق اور امانت کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ تحقیق وتخریج میں ان کا اسلوب معتدل اور محققانہ ہے، اور ترجمہ میں وضاحت وروانی کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ ان کی یہ علمی کاوش یقیناً قابلِ تحسین ہے۔

میں مولوی محمد عمیر کو دل کی گہرائی سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے، ان کو علمی میدان میں مزید ترقیوں سے نوازے، اور امت کے لیے نافع بنائے۔

اسی کے ساتھ میں اپنے رفقائے محترم، برادرِ عزیز مفتی امانت علی صاحب اور مفتی سجاد قاسمی صاحب (اساتذۂ شعبہ تخصص فی الافتاء، دارالعلوم وقف دیوبند) کا بھی صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی دقیق نگرانی، علمی اشراف اور مرحلہ بہ مرحلہ رہنمائی نے اس کام کی وقعت اور استناد میں نمایاں اضافہ کیا۔

درحقیقت اساتذہ اپنے طلبہ کے لیے سراپا شفقت وخیرخواہی ہوتے ہیں، اوران کی تربیت کے مظاہر مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ مقالہ انہی مظاہرِ شفقت وتربیت میں سے ایک روشن مثال ہے، جو اساتذہ کی محنت اور شاگرد کی لگن دونوں کی حسین آمیزش سے وجود میں آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس علمی کوشش کو قبول فرما کر اسے تمام شرکائے کار کے لیے ذخیرہ آخرت اور وسیلہ نجات بنائے اور سندِ قبولیت عطا کرے۔

والله ولی التوفیق

محمد شکیب قاسمی
خادم دارالعلوم وقف دیوبند
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ
مطابق ۵/ نومبر ۲۰۲۵ء

مقدمہ

مولانا مفتی امانت علی صاحب قاسمی
استاذ ومفتی دارالعلوم وقف دیوبند

دارالعلوم وقف دیوبند میں ''تخصص فی الفقہ الاسلامی'' کا شعبہ قائم ہے جس کا جامع ترین نصاب مرتب ہے، اس میں کتب فقہیہ، کتب فتاوی، مقاصد شریعت، تاریخ فقہ اسلامی، فقہ المعاملات المالیہ اور فقہ الاقلیات وغیرہ مضامین اور کتابیں شامل ہیں۔ اس شعبہ میں تکمیل افتا کے دو ممتاز طلبہ کا انتخاب عمل میں آتا ہے جس میں انہیں مختلف فقہی کتابوں کا مطالعہ و دراسہ کا پابند کرایا جاتا ہے، نئے مسائل سے متعلق فتاوی نویسی کی مشق کرائی جاتی ہے، اس طرح ان میں فقہی مسائل کی تحقیق اور جدید مسائل کے حل کرنے کی صلاحیت پیدا کی جاتی ہے اور سال میں کسی اہم موضوع پر تحقیقی مقالہ بھی لکھنے کا پابند کیا جاتا ہے اور ادارہ کی طرف سے اسے کتابی شکل میں شائع کیا جاتا ہے، سال گزشتہ ''معاملات مالیہ میں ائمہ احناف کا اختلاف - مفتی بہ اقوال کی تعیین اور عصری تطبیقات'' کے عنوان سے کتاب منظر عام پر آچکی ہے جسے علمی حلقوں میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور پسند کیا گیا ہے۔

علامہ لکھنویؒ کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج بیان نہیں، انہوں نے علوم اسلامیہ خاص کر فقہ اسلامی کے باب میں گراں قدر اضافہ کیا ہے، آپ کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا، فکر میں گہرائی اور گیرائی تھی، حافظہ حیرت انگیز اور علم کا بحرِ بیکراں تلاطم خیز تھا اور اس زمانہ میں جب کہ کتابوں

کی اس قدر فراوانی نہیں تھی، لیکن آپ اپنی کتابوں میں قدیم ونایاب کتابوں اور نادر مخطوطوں سے اپنی کتاب کو اس قدر مزین کرتے ہیں کہ پڑھنے والا عش عش کرتا رہ جاتا ہے۔

پیش نظر کتاب شعبہ ''تخصص فی الفقہ الاسلامی'' دارالعلوم وقف دیوبند کے ممتاز فاضل عزیزم مفتی محمد عمیر قاسمی، شاملی کی تحقیق وتعلیق کے بعد منظر عام پر آرہی ہے۔ یہ کتاب علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ کی فاضلانہ تحقیق ہے جسے آپ جوتے چپل سے متعلق مسائل کا انسائیکلو پیڈیا کہہ سکتے ہیں، آپ کے ذہن میں جوتے چپل سے متعلق جو بھی سوالات آئیں گے امید قوی ہے کہ اس کا جواب آپ کو اس کتاب میں مل جائے گا۔ کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں مختلف فقہی ابواب سے متعلق جوتے کے احکام مذکور ہیں اور دوسرے باب میں نعلِ نبوی ﷺ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔ نعل سے مختلف روایات کی تحقیق کے ساتھ جوتے چپل کے حوالے سے بیش بہا تحقیقات اور نادر معلومات اس کتاب میں جمع ہیں، اس کے ساتھ ان مسائل کا بھی تذکرہ ہے جو عام طور پر پیش آتے رہتے ہیں، اس ناچیز کی رائے میں جوتے چپل سے متعلق معلومات کا اس قدر احاطہ کسی دوسری کتاب میں نظر سے نہیں گزرا۔ امید ہے کہ یہ کتاب اردو داں حلقہ میں اپنے موضوع پر ایک اضافہ ثابت ہوگی۔ قارئین جوتے چپل سے متعلق معلومات کو پڑھ کر قلبی مسرت کا اظہار کریں گے، علامہ لکھنویؒ کی تحقیق کی داد دیں گے اور ان کی وسعتِ علم وفکر کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔

دارالعلوم وقف دیوبند کی طرف سے سال گزشتہ علامہ لکھنویؒ کے دو رسائل پر کام کرایا گیا تھا جن میں ایک یہ کتاب ہے۔ اس کتاب میں عزیز مکرم نے انتہائی محنت وجاں فشانی سے آسان اسلوب میں ترجمہ کیا ہے، عناوین لگانے کی وجہ سے کتاب کو سمجھنا مزید آسان ہوگیا ہے، کتاب میں مذکور آیات واحادیث وفقہی عبارات کی مکمل تخریج کی ہے اس کے علاوہ کتاب کو سہل بنانے کے لئے بین القوسین مختصر وضاحت بھی ہے اس طرح یہ کتاب

اردو زبان میں ''احکامِ نعال'' پر ایک مستقل کتاب بن گئی ہے جسے پڑھ کر قارئین بالکل اکتاہٹ کا احساس نہیں کریں گے اور تحقیق کار کو ان کی محنت پر دادِ تحسین ضرور دیں گے۔

اس اہم علمی کام کے اصل محرک علم دوست شخصیت حضرت مولانا ڈاکٹر محمد شکیب صاحب قاسمی (استاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) ہیں، آپ کی دلچسپی ونگرانی نے کام کو اس مرحلے تک پہونچا دیا، طلبہ کی حوصلہ افزائی آپ کا خصوصی امتیاز ہے جس نے طلبہ میں علم وتحقیق کی اسپرٹ پیدا کردی ہے، دارالعلوم وقف دیوبند میں اس وقت جو علم وتحقیق کی بساط بچھی ہوئی ہے اور جس تیز گامی سے یہ قافلہ روز وشب رواں دواں ہے یہ سب آپ کی جہد مسلسل اور سعی پیہم کا نتیجہ ہے، دارالعلوم وقف دیوبند کی تمام ہی تعلیمی، تربیتی، تعمیری وانتظامی سرگرمیاں آپ کے انقلابی فکر ونظر کی عکاس اور حسن عمل کا مظہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے عقابی حوصلوں میں مزید توانائی اور فکری افق میں غیر معمولی تابندگی عطا فرمائے۔ میں اس موقع پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس کتاب کے تحقیق کار مفتی محمد عمیر قاسمی، شاملی کو اس گراں قدر علمی تحقیق پر مبارک باد پیش کرتا ہوں، خدا کرے کہ یہ کام ان کی علمی زندگی میں ترقی کا پہلا زینہ ہو جس کی مدد سے وہ ہر دن علم وتحقیق کی منزلیں سر کرتے رہیں اور قرطاس کا رشتہ یوں ہی جاری وساری رہے۔

امانت علی قاسمی

استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ

انتساب

یہ علمی وتحقیقی کاوش میں اپنی مادرِ علمی دارالعلوم وقف دیوبند کے نام منسوب کرتا ہوں، جس کی مقدس فضاؤں نے مجھے علم وبصیرت کی دولت سے نوازا، جس کے سرچشمۂ فیض نے میری علمی تشنگی بجھائی، اور جس کے دامنِ تربیت میں رہ کر میں نے قلم کے نوک و پلک سنوارنے اور اظہار کے آداب سیکھے۔

یہ تحریر میں اپنے محسن و مربی والدین، اہل خانہ بالخصوص حضرت مولانا منور حسین صاحب مظاہری کے نام پیش کرتا ہوں کہ ان کی خلوص بھری دعائیں، بے پناہ شفقتیں، اور مسلسل ایثار وقربانیاں میری علمی وعملی زندگی کا سرمایہ ہیں، ان ہی کی مخلصانہ جدوجہد اور شب وروز دعاؤں کے طفیل میں علمِ دین سے بہرہ یاب ہوا اور اس راہ میں استقامت پائی۔

یہ انتساب اُن جلیل القدر اساتذۂ کرام کے لیے بھی ہے، جن کی صحبت اور تربیت نے میری شخصیت کو سنوارا، خصوصاً شعبۂ تخصص فی الفقہ الاسلامی کے اساتذہ کے لیے، جن کی علمی رہنمائی، شفقت آمیز توجہ، اور بھرپور تعاون کی بدولت یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ان تمام اہلِ فضل وکمال کو جزائے خیر سے نوازے، ان کی مساعیِ جمیلہ کو شرفِ قبولیت بخشے، اور مجھے ہمیشہ ان کے فیوض وبرکات سے فیضیاب رکھے۔

آمین یا رب العالمین

اظہارِ تشکر

ہر علمی کاوش کی تکمیل کے پسِ منظر میں متعدد اہلِ فضل و کمال کی مساعیِ جمیلہ اور بے لوث تعاون کارفرما ہوتا ہے، میری اس حقیر علمی خدمت کے پیچھے بھی ایسے ہی مخلص اربابِ علم وفضل کی محنتیں اور عنایات شامل ہیں، جن کے فیض سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

سب سے پہلے میں اپنی مادرِ علمی دارالعلوم وقف دیوبند کے فعال ومتحرک نائب مہتمم، علم دوست وقدر شناس، محسن ومکرم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب دامت برکاتہم کا تہ دل سے شکر گزار ہوں آپ نے نہ صرف اس علمی وفکری مجموعے کی ترتیب کی ذمہ داری مجھ ناچیز کو سونپی بل کہ ہر مرحلے پر میری حوصلہ افزائی فرمائی، رہنمائی سے نوازا اور مسلسل دست گیری فرماتے رہے۔

میں اپنے اساتذۂ کرام کا بھی قلبی احساسات کے ساتھ مشکور وممنون ہوں، جنھوں نے اپنی مصروفیات ومشاغل کے باوجود تحریر، ترتیب اور تصحیح میں نہایت مخلصانہ تعاون فرمایا، اور تراش خراش کرا سے معیاری بنانے میں بھرپور ساتھ دیا۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنی شایانِ شان بدلہ مرحمت فرمائے، اور اس معمولی خدمت کو اپنی بارگاہِ قبولیت میں مقام عطا فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّلیں

فقہ اسلامی کا انسانی حیات اور معاشرتی نظام سے نہایت گہرا اور ہمہ گیر تعلق ہے، قرآنِ مجید، جو آخری وحی الٰہی اور دستورِ ربانی ہے، اور سنت نبوی، جو درحقیقت قرآن حکیم کی شرح، تبیین اور عملی تفسیر ہے، ان دونوں سے مستنبط ہونے والا علم فقہ انسانی زندگی کے لیے جزو لازم کی حیثیت رکھتا ہے، یہ نہ صرف زندگی کے روز وشب اور معاشرتی اُتار چڑھاؤ میں رہنمائی فراہم کرتا ہے، بل کہ اجتماعیت کو حرارت، حرکت اور ایک خاص معنوی توانائی بھی عطا کرتا ہے۔

زمانے کی تغیر پذیری، احوال کے تفاوت، انسانی ضروریات ومطالبات اور تمدنی تقاضوں کے زیرِ اثر جو نئے اور دقیق مسائل پیش آئے، ان کے حل میں ائمہ وفقہاء کرام نے اپنی اجتہادی بصیرت، علمی تگ ودو اور فہم وادراک کو بروئے کار لاتے ہوئے فقہی اصول وضوابط کی روشنی میں بے شمار فقہی نکات کو مرتب فرمایا۔ ان حضرات کی علمی مساعی، فقہی کارناموں اور محققانہ کاوشوں کی جتنی تحسین وتوقیر کی جائے اتنی ہی کم ہے۔

ان ہی علماء ربانیین میں علامہ ابوالحسنات عبدالحیٔ لکھنویؒ برصغیر کے اکابر علم وفضل میں سے ایک درخشاں نام ہیں، آپ کی علمی عظمت وفقہی مہارت کا چرچا نہ صرف برصغیر اور افریقہ کے علمی مراکز تک محدود رہا بل کہ عرب کے علمی حلقوں کو بھی اپنی علمی تابندگی سے مرعوب کردیا، وہاں کے جلیل القدر علما نے آپ کے بحرِ علم وفضل کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا، وہ

آپ کی مدح سرائی اور جلالت شان میں قصیدہ خوانی پر مجبور ہوئے، حتی کہ آپ کی بعض کتابوں اور رسائل پر تحقیق وتعلیق کا کام کیا ہے۔

آپ صرف فن فقہ کے امام نہیں تھے بل کہ علوم اسلامیہ کے مختلف فنون نحو وصرف، منطق وفلسفہ، جدل ومناظرہ، تاریخ وتراجم، اور علوم حدیث میں بھی کامل مہارت وبصیرت رکھتے تھے، آپ کی تصانیف میں جس متانت فکر، وسعت مطالعہ، کثرت اقوال اور باریکیٔ نظر کا اظہار ہوتا ہے، خصوصاً شرح حدیث اور سند حدیث میں، وہ آپ کی محدثانہ شان اور محققانہ وقار کی روشن دلیل ہے۔

آپ نے محض اپنی ۳۹ رسالہ مختصر زندگی میں مختلف علمی وفقہی موضوعات پر نادر وجامع کتابیں تصنیف فرمائیں جن کی تعداد سو سے متجاوز ہے، ان ہی بیش بہا علمی یادگاروں میں سے ایک رسالہ ''**غاية المقال فيما يتعلّق بالنعال**'' بھی ہے، جو نعال (جوتے چپل) کے مسائل پر آپ کی علمی جلالت، تحقیقی نزاکت اور قلمی قدرت کا درخشاں نمونہ ہے، اور اس موضوع پر ایک موسوعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس رسالہ میں آپ نے فقہی ابواب کی ترتیب پر جوتے چپل کے مسائل کو بیان کیا ہے، چناں چہ باب اول میں مختلف فصلوں کے تحت بالترتیب طہارت، صلاۃ، حج، جہاد، یمین، طلاق، حدود، بیع اور حظر واباحت سے متعلق مسائل ذکر کیے ہیں اور باب ثانی میں نعال نبوی کی تحقیق اور نعال سے متعلق عربی امثال وکہاوتیں اور دیگر تحقیقات بیان کی ہیں۔

انتہائی سعادت مندی کی بات ہے کہ راقم الحروف کو ''**شعبه تخصص في الفقه الإسلامي**'' (۱۴۴۶ھ بمطابق ۲۰۲۵ء) کے سالانہ سندی مقالہ کے لیے دارالعلوم وقف دیوبند کے نائب مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد شکیب صاحب قاسمی اور دیگر اساتذہ کے مشورے سے مذکورہ رسالہ پر تحقیق وتعلیق کا حکم دیا گیا، جس کے لیے راقم الحروف ادارۂ ہذا

اور منتظمین کا بے حد ممنون ومشکور ہے۔

رسالہ پر کام کرتے وقت مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا گیا ہے:

(۱) ترجمہ میں حتی الامکان ترجمانی کی کوشش کی گئی ہے۔

(۲) احادیث اور فقہی عبارتوں کی تخریج کی گئی ہے۔

(۳) تسہیل کے لیے عناوین کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۴) حتی الامکان اصل کتابوں تک مراجعت کی کوشش کی گئی ہے۔

(۵) پیچیدہ اور مغلق عبارتوں کی بین القوسین مختصر وضاحت کی گئی ہے۔

ترجمانی اور تحقیق کے اس اہم کام میں بندہ کہاں تک کامیاب ہوا؟ اس کا فیصلہ قارئین کی دیدہ وری کرے گی۔ بندہ اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کے اعتراف کے ساتھ باذوق قارئین کی خدمت میں درخواست گزار ہے کہ یہ اس کی پہلی علمی کاوش ہے اگر ترجمہ وتحقیق کے اس اہم کام میں کوئی غلطی نظر آئے، اسے ہدف تنقید بنانے کے بجائے، از راہ خیر خواہی بندے کو مطلع فرمادیں، تاکہ آیندہ اشاعت میں اس کی تصحیح کردی جائے۔ اس پر یہ عاجز آپ کا بے حد ممنون اور شکر گزار ہوگا۔

آخر میں یہ ناچیز ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے جن کا اس کام میں کسی بھی اعتبار سے تعاون رہا۔ خاص طور پر میرے محسن ومشفق حضرت مولانا ڈاکٹر محمد شکیب صاحب قاسمی (ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی ونائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) کا جتنا شکریہ ادا کیا جائے کم ہے، کہ حضرت کی بھرپور حمایت اور سرپرستی میں یہ کام انجام تک پہنچا، نیز حضرت مولانا ومفتی محمد امانت علی صاحب قاسمی (استاذ فقہ وتفسیر ومفتی دارالعلوم وقف دیوبند) اور حضرت مولانا ومفتی سجاد حسین صاحب قاسمی (استاذ فقہ وشعبہ انگریزی زبان وادب دارالعلوم وقف دیوبند) بھی شکریہ کے مستحق ہیں، کہ ان کے مشورے اور بتائے ہوئے منہج کے مطابق اس کام کا آغاز کیا گیا، اور پھر اس کے ایک ایک حرف کو دیکھ کر

اس کے نوک و پلک کو سنوارا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ بندے کی اس ادنیٰ کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، غلطی وکوتاہیوں کو معاف فرمائے، اور اسے دنیا و آخرت میں بندے اور تمام قارئین کے لیے سعادت وکامیابی کا ذریعہ بنائے، اور مزید علمی وتحقیقی کاموں کی توفیق میسر فرمائے۔ (آمین)

محمد عمیر شاملی

شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی (سال دوم)

۱۲/ جمادی الاولی ۱۴۴۷ھ

بمطابق ۴/ نومبر ۲۰۲۵ء بروز منگل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فخر الہند علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ لکھنویؒ: حیات وخدمات

ولادت:

جامع المنقول والمعقول علامہ عبدالحیؒ فرنگی محلی علیہ الرحمہ نے ''التعليق الممجد'' کے مقدمہ میں اپنی مختصر سوانح لکھتے ہوئے صراحت کی ہے کہ ان کی ولادت با سعادت ۲۶/ذی قعدہ بروز سہ شنبہ (منگل) ۱۲۶۴ھ کو باندہ کے علاقے میں ہوئی، جہاں ان کے والد مدرسہ امیر نواب ذوالفقار الدولہ میں استاذ تھے۔ (۱)

نام اور سلسلہ نسب:

علامہ لکھنویؒ اپنی متعدد کتب کے تراجم میں خود رقم طراز ہیں کہ ان کے والد ماجد نے ان کا نام ''عبدالحیؒ'' رکھا، اور سن بلوغ کے بعد ان کے والد بزرگوار نے ان کی کنیت ''ابوالحسنات'' رکھی۔ (۲)

آپ کے والد محترم کا اسم گرامی عبدالحلیم انصاری تھا اور پورا سلسلہ نسب اس طرح ہے:

''عبدالحیؒ بن عبدالحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر بن ابوالرحم بن محمد یعقوب بن عبدالعزیز بن محمد سعید بن شہید قطب الدین انصاری سہالوی'' ہے، اور یہ سلسلہ نسب صحابی رسول

---

(۱) اللكنوي، عبد الحي، التعليق الممجد (دمشق: دار القلم)، ج۱، ص:۱۱.

(۲) حوالہ سابق

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔[۱]

''فرنگی محل'' کی طرف نسبت:

''النافع الکبیر'' میں علامہ لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ: ہمارے آباء واجداد ''مدینہ منورہ'' سے ''ہرات'' منتقل ہوئے، وہاں سے دہلی کا رخ کیا، دہلی سے لکھنؤ کے ''سہال'' نامی قصبہ میں آباد ہوئے، پھر شہر لکھنؤ کے ایک محلّہ ''فرنگی محل'' میں آ کر ہمیشہ کے لیے سکونت اختیار کر لی۔[۲]

شیخ الطاف الرحمٰن صاحب ''احوال علماء فرنگی محل'' میں فرنگی محل کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلم بادشاہوں کے دور حکومت میں یہ ضابطہ تھا کہ جو لوگ دار الحرب سے آ کر مسلم علاقوں میں تجارت کرتے تھے، انھیں ایک مدت تک اجازت ملتی تھی، مدت ختم ہونے کے بعد جب وہ واپس ہوتے تو تمام غیر منقولہ جائیداد سرکاری خزانے میں منتقل ہو جاتیں، چناں چہ ایک مرتبہ ایک فرانسیسی تاجر بغرض تجارت لکھنؤ آیا اور ایک مکان اپنے لیے بنوایا، مدت ختم ہونے کے بعد وہ اپنے وطن واپس چلا گیا اور مکان سرکاری خزانے میں منتقل ہو گیا، یہ مکان اگر چہ محلّہ ''چراغ بیگ'' میں واقع تھا، لیکن مشہور حویلی ''فرنگی'' کے متصل تھا، جسے عوام الناس ''فرنگی محل'' کہتے تھے، بعد میں اسے اس نام سے اتنی شہرت حاصل ہوتی گئی کہ محلّہ کا نام بھی فرنگی محل ہو گیا۔ اس مبارک و مردم خیز محلے میں بہت سے فقہاء، محدثین، مفسرین، اہل لغت، مناطقہ، فلاسفہ اور دیگر علوم کے ماہرین پیدا ہوئے۔[۳]

---

(۱) اللكنوي، عبد الحي، النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير (باكستان: كراتشي، إدارة القرآن و العلوم الإسلامية)، ص:۶۰.

(۲) حوالہ سابق

(۳) قدوائي، الطاف الرحمن، أحوال علماء فرنكي محل (لكنؤ: مطبع مجتبائي)، ص:۱۱.

تعلیم وتربیت:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دوست اور دینی وعلمی گھرانے میں پیدا فرمایا اور اسی دینی ماحول میں اپنے والد کے زیر سایہ تربیت پائی، بچپن ہی سے تحصیل علم میں منہمک ہو گئے، اپنا علمی سفر بیان کرتے ہوئے خود لکھتے ہیں: بچپن ہی سے میرا حافظہ بہت قوی تھا، مجھے بچپن کی باتیں اس طرح یاد ہیں جیسے میں نے ابھی دیکھی ہوں حتی کہ تین سال کی عمر کے بھی بعض واقعات مجھے یاد ہیں، پانچ سال کی عمر میں حافظ قاسم علی لکھنوی کے پاس حفظ قرآن شروع کیا، ابھی پارہ "عم یتساء لون" مکمل نہیں ہوا تھا کہ والدین کے ساتھ جون پور جانا پڑا، وہاں میں نے حافظ ابراہیم کے پاس قرآن پڑھا، اس دوران فارسی کی بعض کتابیں پڑھیں، لکھنا سیکھا، اور تکمیل حفظ کے وقت میری عمر دس سال تھی۔

پھر گیارہ سال کی عمر سے علوم وفنون کی کتابیں پڑھنی شروع کیں اور سترہ سال کی عمر میں ہی تمام درسی کتابیں نحو، صرف، معانی، بیان، حکمت، طب، فقہ، اصول فقہ، حدیث، تفسیر اور علم کلام وغیرہ پڑھ کر فارغ ہو گیا، یہ تمام کتابیں میں نے والد صاحب سے پڑھیں؛ البتہ والد محترم کے انتقال کے بعد علم ریاضی والد صاحب کے ماموں اور ان کے استاذ مولانا محمد نعمت اللہ صاحبؒ سے پڑھی اور حساب والد صاحبؒ کے شاگرد رشید، ان کے سفر وحضر کے رفیق مولوی محمد خادم حسین مظفر پوریؒ سے سیکھا۔ چوں کہ بچپن ہی سے مجھے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف سے بڑی دلچسپی تھی، اس لیے میں جو کتاب بھی پڑھتا، اسے پڑھاتا بھی تھا، اس طرح مجھے تمام علوم میں پختگی حاصل ہو گئی اور کسی بھی فن کی کتاب میرے لیے مشکل نہیں رہی۔ [1]

علمی انہماک:

جس شخصیت نے سترہ سال کی عمر میں حفظ قرآن کے ساتھ تمام درسی کتب نحو وصرف،

---

(۱) اللكنوي، عبد الحئي، مقدمة السعاية (مومبائي: دار السنة والسيرة)، ص:۴۱.

فلسفہ ومنطق، حکمت وطب، تفسیر وفقہ اور علم حدیث وغیرہ مکمل کر لی ہو اور ۳۹ رسال کے مختصر عرصہ میں مختلف موضوعات پر بے نظیر کتابیں تصنیف کی ہو، اس کا علمی انہماک یقیناً قابل قدر اور لائق تقلید ہوگا؛ چناں چہ عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رحمہ اللہ ''آداب المتعلمین''، میں علامہ عبدالحئ لکھنوی کے علمی انہماک کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حضرت مولانا عبدالحئ فرنگی محلی رحمہ اللہ ایک روز کمرے میں مطالعہ کر رہے تھے کہ دوران مطالعہ پانی طلب کیا، ان کے والد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب تشریف فرما تھے، ان کو فکر ہوئی کہ مطالعہ کے درمیان ذہن کسی اور طرف کیسے گیا، معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ پڑھے گا، حکم دیا کہ بجائے پانی کے ارنڈی کا تیل جو وہاں رکھا تھا دے دیا جائے، مولانا عبدالحئ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گلاس منھ میں لگایا اور تیل پی گئے اور یہ احساس نہ ہوا کہ تیل ہے یا پانی، اس کے بعد پھر مطالعہ میں مشغول ہو گئے، ان کے والد کی فکر دور ہوئی اور کہا امید ہے کہ پڑھ لے گا، والد صاحب چوں کہ بہت بڑے طبیب تھے اس لیے صاحب زادے کو دوا پلا کر تیل کا اثر زائل کیا''۔[1]

علامہ لکھنویؒ کا علمی تبحر:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو نحو، صرف، منطق وفلسفہ، جدل ومناظرہ، تاریخ وتراجم، معانی وبیان، حکمت وطب، تفسیر، اصول تفسیر علم کلام بالخصوص فقہ واصول فقہ، حدیث واصول حدیث میں بڑی مہارت اور مکمل دسترس عطا فرمائی تھی، جس موضوع پر بھی آپ نے قلم اٹھایا، اس کا حق ادا کر دیا، خوب سیر حاصل بحث کی اور موضوع کو کہیں سے بھی تشنہ

---

(۱) باندوي، صديق أحمد، آداب المتعلمين، (سهارنبور: مكتبة حكيم الأمت)، ص: ۴۰.

نہیں چھوڑا۔ ویسے ہر موضوع پر آپ کی کوئی نہ کوئی دلچسپ اور شاہ کار تصنیف ہے؛ لیکن سب سے زیادہ فقہ سے متعلق تصانیف اور حواشی ہیں اور ہر کتاب ایک نایاب گوہر اور اپنے موضوع پر نادر و کم یاب علمی گنجینہ ہے۔ ان کی کتابوں اور رسائل کا مطالعہ کرنے والا ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ اس وقت نہ تو کمپیوٹر، نہ موبائل اور نہ انٹرنیٹ کا زمانہ تھا اور نہ ہی کتب خانوں میں بآسانی کتابیں دستیاب تھیں، اکثر کتابیں غیر مطبوعہ اور مخطوطات کی شکل میں تھیں، ان سب کے باوجود بکثرت ایسی نادر اور کم یاب کتابوں کے حوالے ہیں جن کا دستیاب ہونا آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی مشکل ہے، معلوم ہوتا ہے کہ پوری دنیا سے کتابوں کا ذخیرہ اکٹھا کر رکھا تھا۔

شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ ان کے وسعت مطالعہ اور علمی تفوق کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ عبد الحئی لکھنویؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا اس بات کے اعتراف پر یقیناً مجبور ہوگا کہ ان کی علمی تصنیفات مستند نادر حوالوں اور مسئلہ باب کے ہر ہر جزئیہ کے استیعاب سے مزین و مرصع ہیں کہ قاری کو یہ احساس ہوگا کہ انھوں نے ساری عمر اسی زیر بحث موضوع میں کھپائی ہو۔[1]

علمی تصانیف:

علامہ لکھنویؒ کا شمار کثیر التصانیف علما میں ہے؛ اس لیے کہ آپ نے ۳۹ رسال کی مختصر مدت میں سو سے زائد شاہ کار علمی رسائل اور کتابیں تحریر فرمائیں، یقیناً یہ قابل قدر کارنامہ ہے کہ جس عمر میں لوگوں کا علم پختہ ہونا شروع ہوتا ہے اور علمی تحریریں معرض وجود میں آنا

(۱) أبو غده، عبدالفتاح، مقدمة التعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة (سوريا: حلب، مكتب المطبوعات الإسلامية)، ص:۱۱۴.

شروع ہوتی ہیں، اس عمر میں آپ نے اتنی کتابیں تصنیف فرمائیں!۔

آپ کی تصانیف کے سلسلے میں سوانح نگاروں اور حالات قلم بند کرنے والے علما کی مختلف آرا ہیں، علامہ لکھنویؒ نے خود ''سعایه''اور ''التعليق الممجد'' کے مقدمہ وغیرہ میں اپنی ۶۰/ سے زائد تصانیف کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد لکھا ہے کہ اس کے علاوہ بکثرت حواشی اور کتابیں ابھی زیر تصنیف ہیں،(۱) اس سے معلوم ہوا کہ اور بھی بکثرت تصانیف ہیں، چناں چہ مولانا عبدالحئ حسنیؒ نے ''نزهة الخواطر''،(۲) میں ۹۰/ کتب، آپ کے ایک شاگرد محمد حفیظ اللہ بندوی صاحبؒ نے ''كنز البركات''،(۳) میں ۹۴/ کتب، ایک دوسرے شاگرد محمد عبدالباقی صاحبؒ نے ''تكملة خير العمل''،(۴) میں ۱۱۲/ کتب، مولانا محمد عنایت اللہ صاحب فرنگی محلیؒ نے ''تذکرہ علماء فرنگی محل''،(۵) میں ۱۰۹/ کتب اور شہرۂ آفاق مؤرخ وسیرت نگار حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں حسنی ندویؒ نے ''المسلمون في الهند'' میں ۱۱۰/ کتب کا تذکرہ کیا ہے، جب کہ علامہ لکھنویؒ کے مداح اور ان کی متعدد کتب اور رسائل پر تحقیقی کام کرنے والے شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے ''سباحة الفكر في الجهر بالذكر''،(۶) کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ علامہ لکھنوی علیہ الرحمہ کی تصانیف تقریباً ۱۱۵/ ہیں۔اور ''الرفع والتكميل في الجرح والتعديل''،(۷) کے مقدمہ میں علامہ

(۱)اللكنوي، عبد الحئى، مقدمة السعاية (مومبائي: دارالسنة والسيرة) ص:۴۲،التعليق الممجد،(دمشق: دارالقلم) ج:۱،ص:۱۱۱.

(۲)الحسني، عبد الحئ، نزهة الخواطر (لاہور:مقبول اکیڈمی)، ج۱،ص:۲۳۷.

(۳)الندوي، محمد حفيظ الله، كنز البركات(لكنؤ:مطبع علوی)،ص:۲۱.

(۴)الندوي، الدكتور ولى الدين، الإمام عبد الحئ اللكنوى (دمشق: دارالقلم)ص:۱۶۱.

(۵)فرنگی محلی ،عنایت اللہ، (لکھنؤ:اشاعۃ العلوم فرنگی محل)،ص:۱۳۴.

(۶)سوري، عبدالفتاح أبوغده، سباحة الفكر فى الجهر بالذكر(مصر: دارالسلام)ص:۵.

(۷)اللكنوي، عبدالحي، الرفع والتكميل في الجرح و التعديل (بيروت: شركة دارالبشائر الاسلامية)،ص:۲۲.

لکھنویؒ کے حوالے سے نام بنام ۱۰۷/ کتابوں کو شمار کرایا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر ولی الدین ندویؒ نے اپنی کتاب ''علامہ عبدالحئی لکھنوی فرنگی محل حیات وخدمات''[1] میں ۱۱۹/ مؤلفات نام بنام ذکر کی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ کی تصانیف کی تعداد سو سے متجاوز ہے اور اختلاف کا بظاہر سبب یہ ہے کہ علامہ لکھنویؒ نے خود اپنے احوال میں بہت ساری تصانیف کا تذکرہ نہیں کیا؛ کیوں کہ بہت ساری کتابیں زیر تصنیف تھیں، معرض وجود میں نہیں آئی تھیں، اسی طرح بہت ساری کتابوں تک سوانح نگار حضرات کی بھی رسائی نہیں ہوسکی، اس لیے ہر ایک نے اپنی اپنی تحقیق کے اعتبار سے تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔

چند شہرہ آفاق تالیفات:

مولانا محمد عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی ''تذکرہ علماء فرنگی محل'' میں علامہ لکھنویؒ کی تصانیف کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ان تالیفات کے بارے میں صرف اس قدر لکھنا چاہتا ہوں کہ اگر مولانا کی کوئی اور تصنیف نہ ہوتی اور صرف چار کتابیں آپ کی مؤلفہ ہمارے ہاتھ میں ہوتیں، تب بھی مولانا کی عظمت شان اور مرتبہ علمی جاننے کے لیے کافی تھیں۔ یہ چار کتابیں چار فنون مختلفہ کی ہیں: ایک ''مصباح الدجیٰ'' یعنی حاشیہ غلام یحیٰ پر میر زاہد رسالہ کا مبسوط حاشیہ جو مولانا کی وسعت نظر اور قوت علمی اور منطق میں بے مثل محقق ہونے کا گواہ ناطق ہے۔ دوسرے ''سعایہ'' یعنی ''شرح وقایہ کا حامل المتن'' حاشیہ، امیر اتقانی نے حاشیہ ہدایہ کے متعلق جو کچھ اپنے قلم سے لکھا ہے وہ سب مولانا کی اس کتاب کے متعلق کہا جاسکتا ہے اور صحیح طور پر کہا جاسکتا ہے۔ اگر اس کتاب کو علامہ صدر الشریعہ دیکھتے تو وہ مولانا کے ہاتھوں کو محبت

---

(۱) الندوي، الدكتور ولي الدين، الامام عبد الحئ اللكنوى علامة الهند و امام المحدثين والفقهاء (دمشق: دار القلم) ص:۱۶۵.

سے چوم لیتے، اگر یہ کتاب تمام ہوجاتی تو یقیناً علماءِ زمانہ "البحر الرائق" اور "فتح القدير" کو بھول جاتے۔ تیسرے "موطا إمام محمد" کا مبسوط حاشیہ یعنی "التعليق الممجد" اس حاشیہ کی کیا تعریف کی جائے سوائے اس کے کہ علماءِ متاخرین میں اس کی کوئی نظیر "عمدة القاري" کے بعد نہیں ہوئی۔ (بحث صرف محققانہ تحریر سے ہے) اور بے تعصبی اور "الحق أحق بالاتباع" کے اعتبار سے کسی آخری دور کے عالم کا آپ سے مقابلہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ چوتھے "ظفر الاماني" اصول حدیث میں بے مثل رسالہ ہے جو گو رسالہ سید شریف کی شرح ہے مگر حق یہ ہے کہ وہ خود ایک مستقل تالیف ہے اور اس کے بعد مقدمہ ابن الصلاح کی بھی ضرورت طالبان علم کے لیے باقی نہیں رہتی۔ (۱)

علامہ لکھنویؒ کا مسلک:

علما نے صراحت کی ہے اور خود علامہ عبدالحئی لکھنوی علیہ الرحمہ کے رسائل اور کتب اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ اصولا اور فروعا مسلک احناف کے پابند تھے، چناں چہ انھوں نے احناف کی متعدد کتب فقہ پر تحقیق وتعلیق کا کام کیا ہے، فقہ حنفی کے مطابق متعدد کتب اور رسائل لکھے ہیں اور اپنے فتاوی بھی فقہ حنفی کے مطابق صادر کیے ہیں، جن کا مجموعہ کئی جلدوں میں شائع ہوا ہے، مزید یہ کہ وہ خود اپنے ایک رسالہ "القول المنشور في هلال خير الشهور" میں اپنا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں: "اللكنوي وطناً، الأنصاري الأيوبي القطبي نسباً، الحنفي مذهباً و مشرباً" وطن کے اعتبار سے لکھنوی، نسب کے اعتبار سے ایوبی قطبی اور مسلک ومشرب کے اعتبار سے حنفی۔ (۲)

البتہ وہ اجتہاد سے متصف تھے، ان کی تحقیق اگر قرآن وحدیث کی روشنی میں کسی مسئلہ

---

(۱) فرنگی محل، عنایت اللہ، تذکرہ علماءِ فرنگی محل (لکھنؤ: اشاعۃ العلوم فرنگی محل، ۱۹۳۰ھ) ص: ۱۳۵.

(۲) اللكنوي، عبد الحئ، القول المنشور في هلال خير الشهور (پاکستان: کراچی، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية) ص: ۳.

میں احناف کے خلاف ہوتی، تو دوسری رائے اختیار کر لیتے، ان کے معاصر اور ہم نام مولانا عبدالحئ حسنی لکھتے ہیں: علامہ لکھنویؒ اصول وفروع میں مسلک احناف کے پابند تھے؛ لیکن متعصب اور متشدد نہ تھے، دلیل کا اتباع کرتے اور اگر کسی مسئلہ میں خلاف مسلک کوئی صریح نص پاتے تو تقلید نہ کرتے۔ (۱)

خود علامہ لکھنویؒ نے بھی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

ومن منحه على رزقت التوجه إلى فن الحديث وفقه الحديث لا أعتمد على مسئلة مالم يوجد أصلها من حديث أو آية، وما كان خلاف الحديث الصحيح الصريح أتركه، وأظن المجتهد فيه معذورا؛ بل مأجورا. ومن منحه أنه جعلني سالكا بين الإفراط والتفريط، لا تأتى مسئلة معركة الآراء بين يدي إلا ألهمت الطريق الوسط فيها، ولست ممن يختار طريق التقليد البحت بحيث لا يترك قول الفقهاء وإن خالفته الأدلة الشرعية، ولا ممن يطعن عليهم ويجهر الفقه بالكلية. (۲)

ترجمہ: اللہ کا مجھ پر انعام ہے کہ اس نے مجھے فن فقہ وحدیث میں رہنمائی عطا فرمائی ہے، میں کسی مسئلہ پر اس وقت تک اعتماد نہیں کرتا جب تک اس کی اصل قرآن یا حدیث میں موجود نہ ہو یہ بھی ہے کہ اس نے مجھے افراط وتفریط کے درمیان معتدل مزاج سے سرفراز کیا، کوئی بھی معرکۃ الآراء مسئلہ، جو مسئلہ حدیث صریح کے خلاف ہوتا ہے میں اسے چھوڑ دیتا ہوں اور مجتہد کو معذور؛ بل کہ قابل ثواب سمجھتا ہوں اور اللہ کا مجھ پر ایک انعام سامنے آتا ہے، تو مجھے اعتدال کا راستہ الہام کیا جاتا ہے، میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو محض تقلید

---

(۱) الحسني، عبد الحئ، نزهة الخواطر (لاہور: مقبول اکیڈمی) ج۸، ص: ۲۳۵.

(۲) اللكنوي، عبد الحئى، النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير (پاكستان: كرچى، إدارة القرآن و العلوم الإسلامية)، ص: ٦٥.

کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور دلیل شرعی کے خلاف بھی فقہا کا قول نہیں چھوڑتے اور نہ ان لوگوں میں سے ہوں جو فقہا کو برا بھلا کہتے ہیں اور فقہ کو بالکلیہ چھوڑ دیتے ہیں۔

علامہ لکھنویؒ کے بعض تفردات:

بعض مسائل میں علامہ لکھنویؒ نے احناف کے خلاف رائے اختیار کی ہے، جنھیں ان کے تفردات میں شمار کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

(۱) رفع یدین[۱] (۲) آمین بالجہر کو راجح قرار دینا[۲] (۳) عقیقہ کو مباح کے بجائے مسنون اور مستحب کہنا[۳] (۴) اقل مہر کو مطلق رکھنا[۴] (دس درہم کی تعیین نہ کرنا) (۵) سفر، بارش یا کسی عذر کی صورت میں دو نمازوں کو جمع کرنا[۵] (۶) سورۂ حج میں دو آیت سجدہ کا ہونا[۶] (۷) نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا[۷] (۸) حالت احرام میں نکاح کا ممنوع ہونا[۸] (۹) کانوں کے مسح سے پہلے سر کے ساتھ ہی گردن کا مسح کرنا، وہ بھی الٹے ہاتھ کے بجائے سیدھے ہاتھ سے گردن کا مسح کرنا[۹] (۱۰) شرمگاہ چھونے سے وضو کا ٹوٹ جانا،[۱۰] ﴿تلک عشرہ کاملة﴾ یہ دس مسائل ذکر کیے گئے ہیں جن میں علامہ لکھنوی علیہ الرحمہ نے احناف کے خلاف موقف اختیار کیا ہے، ان کے علاوہ اور بھی متعدد مسائل ہیں جن میں علامہ لکھنویؒ نے اختلاف کیا ہے۔

---

(۱) اللكنوي، عبد الحئي، التعليق الممجد، (دمشق: دار القلم)، ج۱، ص:۳۸۸.

(۲) حوالہ سابق: ج۱، ص:۴۴۶۔ (۳) حوالہ سابق: ج۲، ص:۶۵۶۔

(۴) حوالہ سابق: ج۲، ص:۴۵۴۔ (۵) حوالہ سابق: ج۱، ص:۵۷۰۔

(۶) حوالہ سابق: ج۲، ص:۲۴۔ (۷) حوالہ سابق: ج۲، ص:۱۱۲۔

(۸) حوالہ سابق: ج۲، ص:۳۲۳۔

(۹) اللكنوي، عبد الحئي، السعاية، (مومبائي: دار السنة والسيرة) ص:۱۷۸.

(۱۰) حوالہ سابق: ص:۲۶۷.

وفات:

والد ماجد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی وفات سے قبل حیدرآباد دکن کے مدرسہ نظامیہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، ان کی وفات کے بعد علامہ لکھنویؒ حیدرآباد سے اپنے وطن تشریف لے آئے اور وہیں مستقل رہ کر علمی خدمات شروع کر دیں اور اس قدر محنت کی کہ صحت خراب ہوگئی اور مستقل بیمار رہنے لگے، جب بھی کچھ افاقہ ہوتا علمی کام میں مشغول ہو جاتے جس سے طبیعت مزید بگڑ جاتی۔ ۱۳۰۳ھ کے وسط میں کھانسی، دمہ اور بے ہوشی کا مرض شروع ہو گیا اور غشی کے دورے پڑنے لگے، ماہر ڈاکٹروں کے علاج سے بھی افاقہ نہیں ہوا، بالآخر ۳؍ اور بعض کے بقول ۲۹؍ ربیع الاول بروز دوشنبہ ۱۳۰۴ھ کو نصف شب کے قریب غشی کا دورہ شروع ہوا اور دو مرتبہ افاقہ بھی ہو گیا، لیکن تیسری مرتبہ کے دورہ میں یہ آفتاب علم و ماہتاب، فخر الہند اور علوم فقہ وحدیث کا بحر بے کراں محض ۳۹؍ سال کے قلیل عرصے میں اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔ ''**اللهم اغفره و ارحمه و اسكنه في جناته**''

انتقال کے بعد محبین اور عوام الناس کا سیلاب امڈ پڑا، اس لیے باری باری تین علما: مولانا عبدالرزاق صاحب لکھنویؒ، مولانا عبدالوہاب صاحبؒ اور مولانا عبدالمجید صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین آبائی قبرستان ''باغ انوار الحق'' میں ہوئی۔

☆☆☆

مقدمة المؤلف

نحمدک یا من جعلنا من أمة خیر من لبس النعلین، وأسألک أن تصلي علی حبیبک رسول الثقلین، وعلی آله وصحبه مادام دور القمرین.

اپنے رب کی رحمت کامحتاج بندہ خدا ابوالحسنات محمد عبدالحئی لکھنوی انصاریؒ (اللہ ان کے تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو معاف فرمائے) عرض کناں ہے: کہ اس رسالہ کا نام "**غایة المقال فیما یتعلق بالنعال**" ہے، جو ایک مقدمہ، دو باب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔

سبب تالیف:

اس رسالے کی تالیف کا سب سے بڑا محرک یہ ثابت ہوا کہ میں نے اس پرفتن اور پرآشوب دور میں لوگوں کو جوتے چپل پہننے میں ازحد لاپرواہ پایا، لوگوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ حکم خداوندی پر عمل ہورہا ہے یا نہیں ہورہا ہے، نیز لوگوں کو ایک قسم کا وہم ہے کہ جوتے چپل جیسے چاہیں پہن لیں اور ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ جب کہ ان کا یہ عمل احکام خداوندی کے بالکل خلاف ہے، آخر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو ان کی اس لاپرواہی کی چند وجوہات ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) کتب شریعت سے ناواقفیت

(۲) اصول وفروع سے بےتوجہی

(۳) جوتے چپل کے متعلق فقہاء احناف کے تحریر کردہ جزئیات سے بےخبری،

حالاں کہ جوتے چپل سے متعلق مسائل واحکام مختلف کتب فقہ کے صفحات میں منتشر ہیں۔

دعا ہے کہ خدا تعالیٰ احقر کو یہ ایسا رسالہ تصنیف کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے، جو مسائل واحکام اور فوائد پر مشتمل ہو اور ہر مسئلہ دلائل سے لیس ہو، خدا تعالیٰ اس رسالے کو جامع اور نافع بنائے۔

وما توفيقي إلا بالله

عليه توكلت وإليه أنيب، فهو حسبي ونعم المجيب

☆☆☆

مقدمۃ الکتاب

نعل اور اس کے متعلقات کی لغوی تحقیق:

صاحب قاموس کے بہ قول نعل وہ چیز ہے جو قدم کو زمین کی تکلیف سے بچائے، اس کی مونث ''نعلة'' اور جمع ''نعال'' آتی ہے، ثلاثی مجرد میں یہ لفظ باب ''سمع یسمع'' سے مستعمل ہے؛ کہا جاتا ہے: ''نَعِلَ، تَنَعَّلَ اور اِنْتَعَلَ''، جس کا معنی ہے جوتا پہننا، ''رَجُلٌ نَاعِلٌ'' اور ''مُنْعَلٌ'' جوتا پہنے ہوئے شخص کو کہا جاتا ہے، اسی طرح مضبوط کھر والے گھوڑے کو ''فَرَسٌ مُنْعَلٌ'' کہتے ہیں۔

اہل عرب کہتے ہیں: ''اِنْتَعَلَ الأَرْض'' اس نے پیادہ پا سفر کیا۔ حسن بن طلحہ، اسحاق بن محمد اور ابو علی جیسے محدثین کا لقب نعالی ہے۔ (۱)

علامہ مطرزیؒ ''المغرب'' میں لفظ نعل کے متعلق لکھتے ہیں:

''ناعل جوتا پہنے ہوئے شخص کو کہتے ہیں، اور لفظ نعل باب ''فتح یفتح'' سے ہے اور حدیث عمر ''مرهم فلينعلوا وليحتفوا'' میں لفظ نعل اسی معنی میں مستعمل ہے، یعنی کبھی جوتے پہن کر اور کبھی ننگے پاؤں چلنا چاہیے؛ تاکہ دونوں حالتوں کی عادت باقی رہے۔

نعل موزے اور خف کو کہتے ہیں اور ''جورب منعل'' ایسے موزے کو کہتے ہیں کہ جس کے نیچے چمڑا لگا دیا گیا ہو؛ تاکہ وہ پاؤں کے لیے جوتے کا کام سرانجام دے اور آپ

---

(۱) الفيروزآبادی، أبو طاهر، محمد بن يعقوب، القاموس المحيط، (بيروت: مؤسسة الرسالة)، ص: ۱۰۶۳.

صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ''إذا ابتلت النعال فالصلاة فی الرحال''[۱] میں نعال سے مراد سخت زمینیں ہیں''۔[۲]

نعل مذکر ہے یا مؤنث؟

علامہ نوویؒ ''تهذيب الأسماء واللغات'' میں لکھتے ہیں:

''نعل پیر میں پہنی جانے والی مشہور ومعروف چیز ہے اور یہ مونث مستعمل ہے۔ ''نعل السیف'' سے مراد لوہے کا وہ ٹکڑا ہے جو تلوار کے نیچے لگایا جاتا ہے اور یہ بھی مونث ہی مستعمل ہے''۔[۳] ابوحاتم سجستانیؒ نے ''المذكر والمؤنث'' میں ان دونوں کو مونث ہی لکھا ہے۔

نعل کے مختلف معانی:

علامہ ابن اثیر جزریؒ ''النهاية في غريب الحديث والأثر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ''إذا ابتلت النعال فالصلاة في الرحال''[۴] میں نعال نعل کی جمع ہے اور نعل سے مراد سخت زمین ہے اور اس کا خاص طور پر ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ معمولی نمی سے سخت زمین تر نہیں ہوتی ہے؛ جب کہ نرم زمین تر ہو جاتی ہے۔

دوسری حدیث: ''كان نعل سيف رسول الله صلى الله عليه وسلم من

---

(۱) أخرجه محمد عابد السندي في مسند الشافعي، ''باب ما جاء فی الأذان'' (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث: ۱۸۵.

(۲) المطرزی، ناصر الدين، المغرب في ترتيب المعرب (حلب: مكتبة أسامة بن زيد، ۱۹۷۹ھ)، ج۲، ص: ۳۱۰.

(۳) النووی، يحی بن شرف، تهذيب الأسماء واللغات (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۴، ۲: ۱۷۰.

(۴) أخرجه محمد عابد السندي في مسند الشافعي، ''باب ما جاء فی الأذان'' (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث: ۱۸۵.

فضة‘‘،[1] میں نعل سے مراد وہ لوہا ہے جو تلوار کے نیچے لگایا جاتا ہے۔

اسی کے متعلق ایک تیسری حدیث بھی ہے:’’إن رجلا شكى إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا، فخاطبه بقوله: ياخير من يمشي بنعل‘‘ [2] کہ ایک شخص نے ایک انصاری صحابی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:’’ياخير من يمشي بنعل فرد ‘‘اے وہ بہترین شخص جو ایک جوتا پہن کر چل رہا ہے۔

النعل: یہ مؤنث الاستعمال ہے اور یہ وہ چیز ہے جو عام طور پر چلتے وقت پہنی جاتی ہے اور اب اس کو’’ناسومة‘‘ کہا جاتا ہے، مذکورہ حدیث میں اس کی صفت’’فرد‘‘ مذکر لائی گئی ہے؛ اس لیے کہ یہ لفظ مونث غیر حقیقی ہے، اہل عرب نرم جوتوں کی تعریف کرتے ہیں اور ان کو بادشاہوں کے لباس میں شمار کرتے ہیں‘‘۔ [3]

علامہ ابن حجر مکی ہیتمیؒ شمائل ترمذی کی شرح میں لفظ نعل کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’نعل وہ چیز ہے جو قدم کو زمین کی تکلیف سے بچائے، اور امام ترمذیؒ نے نعل کو خف کی بحث سے الگ ذکر کیا؛ اس لیے کہ یہ دونوں عرف کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ ہیں اور اگر ہم زمین کو نعل کے لیے قید مانیں تو لغت کے اعتبار سے بھی دونوں الگ ہیں‘‘۔ [4]

---

(۱)أخرجه النسائي في سننه، ’’باب حلية السيف‘‘ (حلب: مكتب المطبوعات الاسلامية)، رقم الحديث:۵۳۷۴.

(۲)دين محمد الحدادي في فيض القدير شرح الجامع الصغير، (مصر:المكتبة التجارية)

(۳)الجزري، مجدالدين ابو السعادات مبارک بن محمد، النهاية في غريب الحديث والأثر (بيروت: المكتبة العلمية)، ج۵،ص:۸۲.

(۴)ابن حجر، الهيتمي، أحمد بن محمد، أشرف الرسائل إلى فهم الشمائل (بيروت: دار الكتب العلمية)،ص:۱۳۸.

علامہ احمد بن محمد بن احمد بن یحییٰؒ جو ایک مالکی فقیہ ہیں اور ''المقری'' کے لقب سے مشہور ہیں انھوں نے اپنی کتاب ''**فتح المتعال فی مدح النعال**'' میں لفظ نعل پر بحث کرتے ہوئے تفصیلی کلام کیا ہے:

''صاحب قاموس اور دیگر ائمہ لغت کے کلام کا ظاہر یہی ہے کہ نعل زمین کی قید کے ساتھ مقید ہے، علامہ عصام الدینؒ نے تو اس کے مقید ہونے کی صراحت کی ہے: انھوں نے لکھا ہے کہ نعل سے خف مراد نہیں لیا جا سکتا؛ کیوں کہ وہ پیروں کو زمین سے بچانے والی چیزوں میں سے نہیں ہے، ابن حجرؒ نے اس چیز کو قابل اعتناء نہیں گردانا ہے اور علامہ عصام الدینؒ پر ابن حجرؒ کی جانب سے کیے گئے اعتراضات غور وفکر کے بعد درست معلوم نہیں ہوتے، آگے لکھتے ہیں: لفظ نعل کے مذکر ومونث ہونے میں اختلاف ہے۔

اعتراض اور اس کا جواب:

علامہ المقریؒ نے لفظ نعل پر وارد ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: اگر یہ اعتراض ہو کہ لفظ نعل کا مونث ہونا دو وجہوں سے تسلیم نہیں ہے، ایک تو یہ کہ لفظ نعل کی تصغیر بغیر تائے تانیث کے نعیل سنی گئی ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ اگر کسی اسم کی تصغیر تائے تانیث سے خالی ہو تو وہ مونث نہیں ہوتا ہے؛ اس لیے کہ تصغیر اسم کو اس کی اصل کی طرف لوٹا دیتی ہے اور اسی کے ذریعے اسم کے مونث ہونے کا پتہ چلتا ہے، جیسا کہ ابن مالکؒ نے اپنی کتاب ''الألفية'' میں یہ شعر نقل کیا ہے:

ويعرف التقدير بالضمير
ونحوه كالرد في التصغير

یعنی جیسے ضمیر کے ذریعے اسم مقدر کو جانا جاتا ہے اسی طرح تصغیر کے ذریعے اسم کی شناخت ہوتی ہے۔[1]

---

(۱) الأندلسي، عبدالله بن مالك، الألفية (الكويت: مكتبة دار العروبة)، ص:۳۲.

دوسری وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ''یا خیر من یمشی بنعل فرد ''[1] ہے، حدیث پاک میں نعل کی صفت فرد مذکر لائی گئی ہے۔

اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: مذکورہ دونوں وجہوں سے لفظ نعل کے مذکر ہونے پر کوئی دلالت نہیں ہوتی ہے، پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ شاذ کے قبیل سے ہے لہذا اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی؛ اس لیے کہ بہت سے مونث الفاظ ایسے ہیں کہ جن کی تصغیر بغیر تاء کے آتی ہے جیسے: ''حرب'' (جنگ) ''ناب'' (دانت) اور ذو بمعنی والا۔ مذکورہ الفاظ مونث ہیں؛ لیکن ان کی تصغیر بغیر تائے تانیث کے آتی ہے، جب کہ بعض اہل لغت نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ نعل کی تصغیر ''نعیلة'' تائے تانیث کے ساتھ بھی آتی ہے۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ لفظ نعل مونث غیر حقیقی ہے اور مونث غیر حقیقی کا حکم مذکر کی طرح ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے: ''انه قد تقرر في فن العربية أن التأنيث اذا كان غير حقيقي يجعل كالمذكر ''کہ فن عربی میں یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر مونث غیر حقیقی ہو تو اس کا حکم مذکر کی طرح ہوگا۔

مؤنث کی اقسام اور مؤنث غیر حقیقی کا طریقۂ استعمال:

علامہ المقریؒ نے ابن اثیرؒ کے اس قول پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابن اثیر کا مطلق یہ کہہ دینا کہ مونث غیر حقیقی مذکر کی طرح ہے، درست نہیں ہے اور مجھے اس پر اشکال ہے؛ اس لیے کہ مونث کی اصلا دو قسمیں ہیں:

(۱) مونث قیاسی۔ (۲) مونث سماعی۔

مؤنث قیاسی: وہ مونث ہے جس میں علامت تانیث لفظوں میں موجود ہو۔

---

(۱) أخرجه زين الدين محمد الحدادي في فيض القدير شرح الجامع الصغير، (مصر: المكتبة التجارية)

مونث قیاسی کی تین قسمیں ہیں:

مونث المعنی: جولفظا بھی مونث ہواور حقیقتاً بھی مونث ہو، جیسے: ''**عائشة**''

اس کا حکم یہ ہے کہ ہمیشہ مونث استعمال ہوگی۔

مونث اللفظ: جوصرف لفظاً مونث ہواور حقیقت میں مذکر ہو، جیسے: ''**حمزة**''

اس کا حکم یہ ہے کہ ہمیشہ مذکر استعمال ہوگی۔

وہ لفظ جس میں مذکر کا حقیقی معنی نہ ہو: جیسے: ''خشبة''، تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اس کا استعمال بھی بہ طور مونث ہوگا۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ مذکورہ تقسیم اس لفظ کی ہے جس کا مذکر ومونث صیغہ وہ شکل کے لحاظ سے جداگانہ ہو، اگر مذکر ومونث میں تمیز کی کوئی سبیل نہ ہو بہ ایں طور کہ مذکر ومونث دونوں کے لیے ایک ہی لفظ استعمال ہوتا ہو تو اس کو علی الاطلاق مونث ہی استعمال کیا جائے گا، چناں چہ جن حضرات نے ''**قالت النملة**'' سے نملۃ مونث ہونے پر استدلال کیا ہے وہ ان کا وہم ہے۔

مونث سماعی: وہ مونث ہے جس میں علامت تانیث لفظوں میں موجود نہ ہو، جیسے: ''**نعل، كتف، يد**'' وغیرہ تو یہ الفاظ سماع کی بناء پر مونث گردانے جائیں گے۔ مونث سماعی کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ اسم ظاہر ہو اور فعل یا شبہ فعل کی ان کی جانب نسبت ہو تو پھر اس فعل یا شبہ فعل کو مذکر اور مونث دونوں طرح لایا جاسکتا ہے، جیسے: ''**طلع الشمس**'' اور ''**طلعت الشمس**'' اور حضرت قتادہؓ کا حضرت انسؓ سے یہ سوال: ''**كيف كان نعل رسول الله صلى الله عليه وسلم؟**'' میں نعل کے مونث ہونے کے باوجود کان فعل کو مذکر لانا اسی قبیل سے ہے اور اگر مونث سماعی فاعل اسم ضمیر ہو تو پھر فعل کو ہمیشہ مونث لایا جائے گا، جیسے: ''**الشمس طلعت**''، لیکن اشعار میں ضرورت شعری کی بناء پر تاء کو حذف

بھی کیا جا سکتا ہے''۔[۱]

شیخ شہاب الدین احمد بن یوسف بن محمد حلبیؒ جو ''ابن السمین'' کے لقب سے مشہور ہیں، ''عمدة الحفاظ فی تفسیر أشرف الألفاظ'' میں لکھتے ہیں:

''نعل وہ چیز ہے جس کو انسان اپنے پیر میں پہنتا ہے، لغت میں ''انتعل'' کے معنی جوتا پہننے کے آتے ہیں، یہ لفظ مونث ہے اور حدیث شریف: ''کان نعل سیف رسول اللّٰہ من فضة''[۲] میں نعل سے مراد وہ لوہا ہے جو تلوار کے نیچے لگا ہوا تھا اور دوسری حدیث ''اذا ابتلت النعال فالصلاة فی الرحال''[۳] میں نعال سے مراد سخت زمین ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد جوتے ہی ہیں۔ اسی طرح لفظ نعل کے ذریعے ذلیل آدمی سے کنایہ کیا جاتا ہے، اور اللہ رب العزت کا اپنے قول: ﴿فاخلع نعلیک﴾[۴] میں نے موسیٰ کو جوتے اتارنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ ان کے جوتے گدھے کی بغیر دباغت دی ہوئی کھال کے بنے ہوئے تھے۔[۵]

☆☆☆

(۱) التلمساني، المالكي، ابو العباس احمد بن محمد، فتح المتعال في مدح خير النعال (القاهرة: دار القاضي عياض)، ص:۴۵.

(۲) أخرجه النسائي في سننه، "باب حلية السيف" (حلب: مكتب المطبوعات الاسلامية)، رقم الحديث:۵۳۷۴.

(۳) أخرجه محمد عابد السندي في مسند الشافعي، "باب ما جاء فی الأذان" (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث:۱۸۵.

(۴) سوره طه:۱۲.

(۵) الحلبي، شهاب الدين، ابن السمين، أحمد بن يوسف، عمدة الحفاظ في تفسير أشرف الألفاظ (بيروت: دار الكتب العلميه)، ص:۱۹۶.

الباب الأول

نعال کے مختلف النوع احکام ومسائل کا بیان

اس باب میں نعل کے نادر ونایاب مسائل اور احکام مذکور ہیں جو دیگر مطول کتابوں اور رسالوں میں موجود نہیں ہیں۔

اس باب میں چند فصلیں ہیں: جو جوتے چپل کے متعدد ومتنوع جزئیات پر مشتمل ہیں:

پہلی فصل

وضو اور اس کے متعلقات کا بیان

جوتا پہن کر وضو کرنا:

جوتے چپل پہن کر اس میں وضو کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ پانی دونوں پیروں کے ہر ہر جزء تک پہنچ جائے؛ کیونکہ وضو میں دونوں پیروں کا دھونا فرض ہے اور جوتا پہننے کی حالت میں وضو کرنے کی صورت میں دونوں پیروں کا اچھی طرح دھلنا ممکن ہے، محدثین کی ایک جماعت نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ''**إني رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يلبس النعال التى ليس فيها شعر، و يتوضأ فيها، فأنا أحب أن ألبسها**''[1] میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے جوتے پہنے ہوئے دیکھا کہ جس میں بال نہیں تھے اور ان ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے، میں بھی اس طرح کے جوتے پہننا پسند کرتا ہوں۔

جوتوں پر مسح کرنا:

عبارات فقہا میں اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ جوتوں اور چپلوں پر مسح کرنا جائز

---

(۱) أخرجه البخاری في صحيحه، ''كتاب بدء الوحي'' (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث: ۵۸۵۱.

أخرجه المسلم في صحيحه، ''باب الإهلال من حيث تنبعث الراحلة'' (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ۲۸۷۵.

أخرجه أبوداؤد في سننه، ''باب في وقت الإحرام'' (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۱۷۷۲.

نہیں ہے اور اگر کوئی شخص صرف مسح کرنے پر اکتفا کرے تو اس کا وضو درست نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ اس نے وضو کے رکن یعنی ''غسل رجلین'' یا ''مسح علی الخفین'' کو ترک کر دیا ہے، لیکن علامہ ابن جماعہؒ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے اس کے برخلاف ایک روایت نقل کی ہے:

''روي ابن جماعة عن علي بن محمد عن وكيع عن سفيان عن أبي قيس الأودي عن الهذيل بن شرحبيل عن المغيرة بن شعبة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم توضأ ومسح على الجوربين والنعلين''

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کی اور آپ نے جوربین اور نعلین پر مسح کیا۔ ترمذیؒ، ابوداؤدؒ اور مسند احمد بن حنبلؒ نے اس حدیث کو متعدد طرق اور مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

''رواه الترمذي عن هناد ومحمود بن غيلان قالا: حدثنا وكيع عن سفيان عن أبي قيس عن هذيل بن شرحبيل عن المغيرة بن شعبة قال: توضأ النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ومسح على الجوربين والنعلين. قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح''[1]

ترمذیؒ نے اس حدیث پر حسن صحیح کا حکم لگایا ہے، اسی طرح یہ روایت ابوداؤد میں بھی مذکور ہے؛ لیکن ابوداؤدؒ نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن ابن مہدی حضرت مغیرہؓ سے اس حدیث کو نقل نہیں کرتے تھے؛ اس لیے کہ حضرت مغیرہؓ کی معروف روایت میں مسح علی الخفین کا ذکر ہے؛ جب کہ اس روایت میں مسح علی الجوربین والنعلین کا تذکرہ ہے۔

''و رواه أبو داؤد عن عثمان بن أبي شيبة عن وكيع عن سفيان الثوري

---

(۱) أخرجه الترمذي في سننه، ''باب ما جاء في المسح على الجوربين'' (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث: ۹۹.

عن أبي قيس الأودي هو عبدالرحمن بن ثروان عن هذيل بن شرحبيل عن المغيرة بن شعبة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ و مسح على الجوربين والنعلين.

قال أبو داؤد: كان عبد الرحمن بن مهدي لا يحدث بهذا الحديث؛ لأن المعروف عن المغيرة أن النبي صلى الله عليه وسلم مسح على الخفين.

حدثنا مسدد وعباد بن موسىٰ قالا: حدثنا هشيم عن يعلى بن عطاء عن أبيه، قال عباد: قال: أخبرني أوس بن أبي أوس الثقفي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ ومسح على نعليه و قدميه.

وقال عباد: رأيت رسو ل الله أتى على كظامة قوم فتوضأ ومسح على نعليه وقدميه''(۱)

علامہ ابن اثیرؒ روایت میں مذکور لفظ ''کظامة'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لفظ ''کظامة'' کاف کے کسرہ اور ''ظا'' اور ''میم'' کے فتحہ کے ساتھ ہے، اور یہ نالوں کی طرح زمین میں ایسے کنویں ہیں جو باہم ملے ہوئے ہوتے ہیں، جہاں پانی جمع ہوکر سطح زمین پر بہنے لگتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے:

''حدثنا وكيع حدثنا سفيان عن أبي قيس عن هذيل بن شرحبيل عن المغيرة بن شعبة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ ومسح على الجوربين والنعلين''(۲)

---

(۱)أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب المسح على الجوربين" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۱۵۹.

(۲)أخرجه الإمام أحمد في مسنده، "باب حديث أوس بن أوس الثقفي" (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث:۱۶۱۵۸.

چناں چہ یہ سب روایتیں اس بات پر شاہد ہیں کہ جوتوں پر مسح کرنا جائز ہے اور وضو کے لیے کافی ہے۔

مسح علی النعلین والی روایات کے جوابات:

علامہ لکھنویؒ کے نزدیک مسح علی النعلین درست نہیں ہے اس لیے وہ ان روایتوں کے تین جوابات دیتے ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ حدیث مذکور میں نعلین سے مراد جوربین اور موزے ہیں اور اس کا تعلق مسح علی الخفین کے جواز سے ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

> ''مناسب یہی ہے کہ اس حدیث میں عموم نہ ہو اور نعلین سے مراد جوربین اور خفین ہو، یہ جواب اس وقت ہے جب ہم اس حدیث کو صحیح مانیں جیسا کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، ورنہ تو امام احمدؒ، ابن مہدیؒ اور امام مسلمؒ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے؛ لہٰذا اس صورت میں یہ حدیث مسح علی الخفین کے جواز پر مستدل نہیں بنے گی اور تاویل کی بھی ضرورت نہیں رہ جائے گی''۔[1]

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین کو جوربین کے اوپر پہن رکھا تھا، علامہ طیبیؒ وغیرہ نے اسی تاویل کو پسند کیا ہے۔[2]

شیخ عبدالحق دہلویؒ نے مشکاۃ کی شرح میں لکھا ہے:

---

(۱)ابن الهمام، كمال الدين محمد بن عبدالواحد، فتح القدير (بيروت: دار الفكر): ج۱، ص:۱۵۷.

(۲)الطيبي، شرف الدين، حسين بن عبدالله، الكاشف عن حقائق السنن (رياض: مكتبة نزار المصطفى)، ج۳،ص:۸۴۵.

''جورب ایسے موزے کو کہتے ہیں جو دوسرے موزے کے اوپر پہنا جاتا ہے، خواہ ٹھنڈ سے بچنے کے لیے پہنا جائے یا نیچے والے موزے کی حفاظت کے لیے پہنا جائے، اس کو ''جرموق'' بھی کہتے ہیں، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوربین کے اوپر نعلین کو پہن رکھا تھا جیسا کہ علامہ خطابیؒ نے تحریر فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوربین کے مسح پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے نعلین پر بھی مسح کر لیا؛ چناں چہ اب دلیل ان لوگوں کے ذمہ ہے جو بغیر خفین کے صرف نعلین پر مسح کرنے کو کافی سمجھتے ہیں''۔ (۱)

تیسرا جواب یہ ہے کہ نعلین پر مسح کرنے کا حکم منسوخ ہے جیسا کہ شیخ عبدالحق دہلویؒ نے سنن دارمی کے حوالے سے اس کو نقل کیا ہے۔ (۲)

ابوداؤد میں مذکور مسدد اور عبادوالی روایت میں اُوس ابن أبي أوس ثقفی سے کون مراد ہیں؟

ابوداؤد کی روایت میں اوس راوی سے مراد وہ اوس بن حذیفہ ثقفی ہیں، جیسا کہ امام احمدؒ نے ذکر کیا ہے۔ (۳)

علامہ ابونعیمؒ ''معرفة الصحابة'' میں لکھتے ہیں:

''متقدمین نے اوس کے سلسلے میں اختلاف کیا ہے، بعض لوگ

---

(۱) الدهلوي، عبدالحق، لمعات التنقيح (دمشق، دار النوادر)، ج۲، ص:۲۵۲.

(۲) الدارمي، ابومحمد عبدالله بن عبدالرحمن، مسند الدارمي (بيروت: دار البشائر الإسلامية)، ج۲، ص:۳۳۷.

(۳) مسند الإمام أحمد بن حنبل: ج۲۶، ص:۷۷، رقم الحديث: ۱۶۱۵۵، ط: مؤسسة الرسالة بيروت.

ان کو اوس بن حذیفہ اور بعض حضرات اوس بن ابی اوس کہتے ہیں، ان کی کنیت ''ابوایاس'' ہے''۔[۱]

ابن معینؒ کا کہنا ہے: اوس بن اوس اور اوس بن ابی اوس ایک ہی ہیں، ابوداؤدؒ وغیرہ نے بھی ان کی اتباع کی ہے حالاں کہ یہ بات غلط ہے؛ کیوں کہ ''تهذيب التهذيب'' میں لکھا ہے: اوس بن ابی اوس وہ اوس بن حذیفہ ثقفیؓ ہیں جو صحابی رسول ہیں جن سے جمعہ کے دن غسل کی فضیلت والی روایت منقول ہے۔[۲]

حدیث مغیرہؓ کا درجہ:

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت میں مذکور راوی ابوقیس الأودی کا نام عبدالرحمٰن بن شروان ہے۔ علامہ زیلعیؒ نے بھی یہی کہا ہے، آگے لکھتے ہیں: امام نسائیؒ نے سنن نسائی میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے: ابوقیس کی اس روایت (مسح علی الخفین والنعلین) کے کسی متابع کا ہمیں علم نہیں ہوسکا ہے اور حضرت مغیرہؓ سے صحیح روایت صرف مسح علی الخفین کی ہے۔[۳] ابن حبانؒ نے بھی حضرت مغیرہؓ کی اس روایت مسح علی الخفین والنعلین کو صحیح ابن حبان میں ذکر کیا ہے۔[۴]

امام بیہقیؒ نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ حدیث منکر ہے، سفیان ثوریؒ، عبدالرحمٰن بن مہدیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، یحی ابن

---

(۱) الأصبهاني، أبونعيم أحمد بن عبدالله، معرفة الصحابة (رياض: دار الوطن)، ج۱، ص:۳۰۷.

(۲) العسقلاني، ابن حجر، أبو الفضل أحمد بن علي، تهذيب التهذيب (دائرة المعارف النظامية)، ج۱، ص:۳۸۱.

(۳) الزيلعي، جمال الدين أبو محمد عبدالله بن يوسف، نصب الراية (جدة: دار القبلة)، ج۱، ص:۱۸۴.

(۴) البستي، محمد بن حبان، صحيح ابن حبان (بيروت: مؤسسة الرسالة)، ج۴، ص:۱۶۷.

معینؒ، علی بن مدینیؒ اور مسلم بن حجاجؒ وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے''۔[1]

علامہ تقی الدینؒ نے ''الإمام'' میں لکھا ہے:

''روایت میں مذکور ابوقیس الأودی سے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں روایت کو نقل کیا ہے اور علامہ بیہقیؒ نے اپنی سنن میں لکھا ہے کہ ابومحمد یحی بن منصور کہتے تھے کہ مسلم بن حجاج نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور روایت میں مذکور ابوقیس الأودی اور ہذیل سے منقول روایت قابل قبول نہیں ہوگی، میں نے یہ بات ابوالعباس محمد بن عبدالرحمٰن سے ذکر کی تو انھوں نے فرمایا: میں نے علی بن محمد بن شیبان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابوقدامہ سرخسی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے سفیان ثوری سے کہا تھا کہ اگر تم مجھے ابوقیس کی اس حدیث کو سناؤ گے جس کو وہ ھذیل سے روایت کرتے ہیں تو میں تم سے اس حدیث کو قبول نہیں کروں گا''۔

نعلین پر مسح والی تمام روایات ضعیف ہیں اور محض نعلین پر مسح کی کوئی روایت منقول نہیں ہے؛ بل کہ نعلین اور جوربین دونوں پر ایک ساتھ مسح کے تعلق سے روایات آئی ہیں، اور ان سب کا وہی جواب ہے جو ماقبل میں تین جوابات دیے گئے ہیں۔ **واللہ أعلم**

فقہا کے قول منعل کا مطلب:

کتب فقہ میں ایک قول ملتا ہے:

''یجوز المسح علی جوربیه المنعلین والمجلدین بالاتفاق بین علمائنا الثلاثة وفي الثخینین غیر المنعلین والمجلدین خلاف، فعند أبي

---

(۱) البیهقي، أبوبکر أحمد بن حسین، معرفة السنن والآثار (بیروت: دارالکتب العلمیة)، ج۱، ص:۳۴۹.

حنيفة لايجوز وعندهما يجوز، وعليه الفتوى"

ایسے موزوں پر مسح کرنا جو منعل اور مجلد ہوں بالاتفاق جائز ہے، البتہ اگر موزے موٹے تو ہوں لیکن منعل اور مجلد نہ ہوں، تو ان پر مسح کے سلسلے میں اختلاف ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ فقہا کے اس قول میں لفظ منعل کا مطلب ایسا موزہ ہے جس کے نیچے چمڑا لگا ہوا ہو جیسے پیر کے نیچے جوتا رہتا ہے۔

لفظ منعل یہ باب اِفعال سے نون کے سکون کے ساتھ اسم مفعول ہے، علامہ شامیؒ نے "رد المحتار" میں اسی طرح ذکر کیا ہے،[1] البتہ "مغرب" میں اس کو باب تفعیل کا مفعول گردانا گیا ہے[2] اور علامہ عینیؒ نے ہدایہ کی شرح میں دونوں کے جواز کی صراحت کی ہے۔[3]

☆☆☆

(۱)الدمشقي، ابن عابدين، محمد أمين بن عمر، رد المحتار (بيروت: دارالفكر)، ج۲،ص:۲۸۱.

(۲)المطرزي، ناصرالدين، المغرب في ترتيب المعرب (بيروت: دارالكتاب العربي)، ج۱،ص:۴۶۸.

(۳)العيني، محمود بن أحمد بن موسى، البناية شرح الهداية (بيروت: دارالكتب العلمية)، ج۱،ص:۶۰۸.

دوسری فصل

طہارت ونجاست کا بیان

خفین اور نعلین کو پاک کرنے کا طریقہ:

اگر خفین یا جوتے پر ایسی نجاست لگ جائے جو جسم والی نہ ہو یعنی اس کا کوئی مادی اثر نہ ہو، جیسے: شراب اور پیشاب، تو اس نجاست کو دھونا ضروری ہوگا وہ نجاست تر ہو یا خشک ہو۔

قاضی ابوعلی نسفیؒ، امام ابوبکر بن محمد فضلؒ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اگر کسی کے جوتے کو پیشاب یا شراب لگ جائے پھر وہ اس جوتے کے ساتھ مٹی یا ریت پر چلے اور جوتے پر کچھ مٹی چپک جائے یہاں تک کہ نجاست خشک ہو جائے پھر وہ اس جوتے کو زمین پر صاف کر دے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جوتا پاک ہو جائے گا، فقیہ ابوجعفرؒ نے امام صاحب سے اس کو روایت کیا ہے، امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی مروی ہے لیکن وہ نجاست کے خشک ہونے کی شرط نہیں لگاتے ہیں۔

اور اگر جوتے یا موزے پر لگنے والی نجاست جسم والی ہو یعنی اس کا ایک مادی اثر ہو، تو اگر وہ تر ہو تو وہ دھونے سے ہی پاک ہوگا جیسا کہ مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ جوتے کو ریت یا مٹی سے صاف کرے اور پھر اس ریت، مٹی کو بھی صاف کر دے تو پہلے والے مسئلے پر قیاس کرتے ہوئے جوتا پاک ہو جائے گا، ہمارے مشائخ نے عموم بلوی کی بناء پر اسی قول پر فتوی دیا ہے۔

اور اگر جوتے یا موزے پر جسم دار لگنے والی نجاست خشک ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام

ابو یوسفؒ کے نزدیک کھرچنے اور رگڑنے سے بھی جوتا پاک ہو جائے گا، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک صرف دھونے سے ہی پاک ہوگا، فتوی شیخین کے قول پر ہے؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''إذا أتى أحدكم المسجد فليتقلب نعليه، فإن كان بهما أذى فإذا حكه و حته زال جرم النجاسة وما بقي منه إلا قدر ما تشربه وهو قليل والقليل عفو''[1]

جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو وہ اپنے جوتے پلٹ کر دیکھ لے اگر ان میں گندگی لگی ہو تو اس کو کھرچ لے یا رگڑ لے تاکہ نجاست کا اثر ختم ہو جائے اور جو باقی بچی تو وہ قلیل ہوگی اور اتنی قلیل مقدار معاف ہے۔

امام محمدؒ سے منقول ہے کہ جب انھوں نے راستوں میں بہت زیادہ لید پڑی ہوئی دیکھی تو اپنے قول: **''لا يطهر إلا بالغسل''** سے رجوع کر لیا۔

امام محمدؒ نے جامع صغیر میں یہ بات لکھی ہے کہ شیخین کے نزدیک کھرچنے اور رگڑنے سے بھی خشک نجاست پاک ہو جائے گی، اور مبسوط میں ہے کہ پوچھنے سے بھی پاک ہو جائے گی، ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے: کہ اگر جامع صغیر میں کھرچنے اور رگڑنے کا ذکر نہ ہوتا تو ہم یہی کہتے کہ خشک نجاست پوچھنے سے ہی پاک ہوگی؛ اس لیے کہ کھرچنے اور رگڑنے کا تطہیر میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، جیسا کہ اگر مسافر کے ہاتھ پر نجاست لگ جائے اور پھر وہ اس کو زمین پر مل دے تو ہاتھ پاک ہو جاتا ہے اور اگر وہ اس کو کھرچے یا رگڑے تو ہاتھ پاک نہیں ہوگا۔

خفین اور نعلین کو دھو کر پاک کرنے کا طریقہ:

جن صورتوں میں خفین یا نعلین کو نجاست لگنے کی وجہ سے دھونا ضروری ہے وہ ذیل میں

---

(۱) أخرجه الحاكم في المستدرک، (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث: ۹۵۵.

مذکور ہیں:

اگر چمڑا اس قدر سخت ہو کہ نجاست کی رطوبت کو جذب نہ کر سکتا ہو تو اس جوتے یا موزے کو تین مرتبہ دھونا ضروری ہے اس طرح کہ ایک بار دھو کر اتنی دیر توقف کرے کہ جوتے کا پانی بالکلیہ طور پر ٹپک جائے پھر اسی طرح دوبارہ مزید کیا جائے، اور ایک روایت کے مطابق ایک ساتھ ہی تین مرتبہ دھو لینا بھی کافی ہے، لیکن یہ قول ضعیف ہے، اور اصح قول یہ ہے کہ دھو کر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ پانی کے قطروں کا ٹپکنا بند ہو جائے اور تراوٹ ختم ہو جائے، گرچہ خشک نہ ہوا ہو، اور ایسا تین مرتبہ کیا جائے۔

اور اگر جوتے یا خفین کا چمڑا نرم ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک چوں کہ اس کا نچوڑنا ناممکن ہے؛ اس لیے وہ کبھی پاک نہیں ہوگا، لیکن ظاہر الروایہ یہ ہے کہ دھونے سے پاک ہو جائے گا۔ یہ ساری تفصیلات "الذخيرة" اور "قاضي خان" وغیرہ سے ماخوذ ہے۔[1]

"البحر الرائق" میں اس سلسلے میں کافی طویل کلام کیا گیا ہے:

"اگر موزے پر نجاست مرئی لگ جائے تو رگڑنے سے پاک ہو جائے گا اور اگر نجاست غیر مرئی ہو تو اس کو دھونا ہی ضروری ہوگا۔

دلیل: "إذا جاء أحدكم المسجد فلينظر، فان رأى في نعليه أذى فليمسحهما و ليصل فيهما"[2] جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو وہ اپنے جوتوں کو دیکھ لے، اگر وہ شخص اپنے جوتوں میں گندگی دیکھے تو اس کو صاف کر لے اور ان میں نماز پڑھے۔ امام محمدؒ کا اس مسئلے میں اختلاف ہے؛ لیکن یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے، اور اسی وجہ سے ان کا رجوع بھی ثابت ہے جو ماقبل میں نقل کیا جا چکا ہے، جملہ تفصیلات النہایہ میں ہے۔

---

(۱) الأوزجندي، قاضي خان، فخر الدّين أبو المحاسن حسن بن منصور، فتاوىٰ قاضي خان (ديوبند: مكتبة الاتحاد)، ج۱، ص:۱۲.

(۲) أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب الصلاة فى النعل" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۶۵۰.

مصنف علیہ الرحمہ[1] نے متن میں ''خف'' کی قید لگائی ہے؛ اس لیے کہ کپڑا اور بدن منی کے علاوہ دیگر نجاستوں کے لگنے کی صورت میں رگڑنے سے پاک نہیں ہوتے ہیں، اسی بنیاد پر امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر مسافر کے ہاتھ پر نجاست لگ جائے پھر وہ ہاتھ کو پوچھ لے تو اس کا ہاتھ پاک ہو جائے گا، امام محمدؒ کا یہ قول اس بات پر محمول ہے کہ نجاست کا صاف کرنا تقلیل نجاست کا باعث ہے، ورنہ تو محض نجاست کے پوچھنے سے ہاتھ کیوں کر پاک ہوسکتا ہے؟ اس لیے کہ امام محمدؒ تو بغیر پانی کے تطہیر کے جواز کے قائل ہی نہیں ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ بھی صرف موزے اور جوتے میں ہی رگڑنے کے ذریعے تطہیر کے قائل ہیں۔

''النهايه'' میں ہے: نجاست کو پوچھ دینا بھی تطہیر کے لیے کافی ہے، اس کو امام محمدؒ کی دوسری روایت پر محمول کیا جائے گا کہ مسح کے ذریعے بھی تطہیر درست ہے اور ایک روایت ہے کہ تطہیر کے لیے دھونا ہی ضروری ہے۔

پھر مصنفؒ نے اپنی عبارت کو جفاف (نجاست کے خشک ہو جانے) کی قید سے مقید نہیں کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلے میں امام ابو یوسفؒ کا قول اصح ہے؛ کیوں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے خشک ہونے کی قید لگائی ہے، اکثر مشائخ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کیا ہے، ''النهايه''، ''العنايه''، ''الخانيه'' اور ''الخلاصه'' میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہی فتوی دیا گیا ہے۔

''الكافي'' میں ہے: اگر جوتے یا خفین کو زمین سے مل دے تو وہ جوتا پاک ہو جائے گا، اس قول پر فتوی اس وقت ہے جب کہ اس طرح مل کر صاف کرے کہ نجاست کا بالکلیہ اثر ختم ہو جائے۔

---

(۱) مصنف سے مراد صاحب کنز الدقائق امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود المعروف حافظ الدین النسفی ہیں.

مسح کے ذریعے طہارت موزے اور جوتے کے ساتھ خاص ہے ان کے علاوہ چیزوں میں مسح کافی نہیں؛ لیکن ''فتاوی ظهيريه'' میں اس ضابطے سے کچھ مسائل کو مستثنیٰ کیا گیا ہے:

مثلا: اگر کوئی شخص اپنے آلۂ حجامہ کو تین مرتبہ تین الگ الگ کپڑوں سے پوچھ دے تو اس کا آلہ پاک ہو جائے گا اور اسے دھلنا ضروری نہیں ہوگا، امام ابواللیثؒ نے یہی ذکر کیا ہے اور فتح القدیر میں بھی یہ بات من وعن نقل کی گئی ہے، اس کو اس مسئلے پر قیاس کیا گیا ہے کہ اگر مقام فصد اور زخم کا اردگرد آلودہ ہو جائے اور اس کو دھونے کی صورت میں زخم تک پانی کے پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس کا پوچھنا ہی کافی ہوگا۔

''فتاوی ظهيريه'' میں ہے: اگر کسی کے موزے کا اندرونی حصہ کپڑے سے بنا ہوا ہو اور اس کی پھٹن میں نجاست داخل ہو جائے، پھر وہ موزے کو دھولے اور اس کو ہاتھ سے رگڑ لے، پھر موزے کو پانی سے بھر کر پانی بہا دے تو اندر کا کپڑا ضرورت کی بنا پر پاک ہو جائے گا۔[1]

''هدايه'' میں لکھا ہوا ہے:

> ''اگر موزے پر نجاست مرئی لگ جائے، جیسے: جانور کا گوبر، انسان کا فضلہ اور خون، پھر وہ خشک ہو جائے تو اگر اس کو زمین سے رگڑ دیا جائے تو کافی ہے، یہ خلاف قیاس ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں: رگڑنا کافی نہیں ہے اور موزہ پاک نہیں ہوگا، یہ قیاس ہے؛ اس لیے کہ موزے میں داخل ہونے والی نجاست خشک ہونے اور رگڑنے سے زائل نہیں ہوسکتی ہے۔

---

(١) المصري، ابن نجيم، زين الدين بن ابراهيم، البحر الرائق (بيروت: دار المعرفة)، ج١، ص:٢٣٤.

شیخین کی دلیل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ''**فإن كان بهما أذى فليمسحهما بالأرض، فإن الأرض لهما طهور**''[1] ہے، کہ اگر موزے اور جوتے میں نجاست لگ جائے اور اس کو زمین سے صاف کر لیا جائے تو زمین ان دونوں کے لیے مطہر ہے''۔[2]

''**الأشباه والنظائر**'' میں لکھا ہے: اگر موزے پر نجاست نیچے کی جانب لگی ہوئی ہو تو وہ رگڑنے سے پاک ہو جائے گا، لیکن اگر اوپر کی جانب ہو تو موزہ صرف دھونے سے ہی پاک ہوگا۔

بہر حال وہ حدیث جس کو صاحب ہدایہؒ نے شیخین کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے وہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت ہے اور عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔(**إن شاء الله تعالىٰ**)

البتہ امام ابوداؤدؒ نے صحیح سند کے ساتھ اس سلسلے میں دوسری حدیث بھی نقل کی ہے: ''**إذا وطي أحدكم الأذى بخفيه فطهورهما التراب**''[3] اگر تمہارے موزوں میں نجاست لگ جائے تو مٹی اس کے لیے مطہر ہے، اس حدیث کو ابن حبانؒ نے بھی صحیح ابن حبان میں نقل کیا ہے اور اس حدیث کو مسلم کی شرط پر ہونے کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے۔

ابن حبانؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے دوسری روایت مرفوعاً نقل کی ہے: ''**إذا وطي**

---

(١)مسند الإمام احمد بن حنبل: ج١٨،ص:٣٧٩،رقم الحديث:١١٨٧٧،ط:مؤسسة الرسالة بيروت.

(٢)المرغيناني،برهان الدين ابو الحسن علي بن أبي بكر، الهداية (بيروت:دار إحياء التراث العربي)،ج١،ص:٣٧.

(٣)أخرجه أبوداؤد في سننه، ''باب فى الأذى يصيب النعل'' (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:٣٨٦.

أخرجه ابن حبان في صحيحه، ''باب تطهير النجاسة'' (بيروت:مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث:١٤٠٤.

أحدكم بنعله الأذى فإن التراب له طهور"[1]

علامہ ابن عدیؒ نے "**الكامل في الضعفاء**" میں اس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے اس طرح نقل کیا ہے:

"**عن عبد الله بن زياد بن سمعان مولى أم سلمه عن سعيد المقبرى عن القعقاع بن حكيم عن أبيه عن عائشة قالت: سألت رسو ل الله صلى الله عليه وسلم عن الرجل يطأ بنعليه الأذى،قال: التراب لهما طهور**"[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں معلوم کیا جو اپنے جوتے پہن کر گندگی پر چلتا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مٹی اس کے لیے مطہر ہے۔

کیا ناپاک کپڑا زمین پر رگڑنے سے پاک ہوجائے گا؟

فقہاء احناف نے مختلف جگہوں پر اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر کپڑے پر نجاست لگ جائے تو وہ زمین پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوتا ہے اور دیگر ائمہ کی بھی یہی رائے ہے۔

سنن ابوداؤد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

"**أن امرأة سألتها، فقالت: إني امرأة أطيل ذيلي، و أمشي في المكان القذر، فقالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يطهر ما بعده**"[3]

---

(١)أخرجه ابن حبان في صحيحه، "باب تطهير النجاسة" (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث:١٤٠٣.

(٢)أخرجه ابن عدى فى الكامل فى الضعفاء،(بيروت: دارالفكر)،رقم الحديث:٩٦٨.

(٣)أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب في الأذى يصيب النعل" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:٣٨٣.

ایک عورت نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ میں دراز دامن والی ہوں اور میں گندگی والی جگہوں سے گزرتی ہوں، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا: جو اس کے بعد کی جگہ ہے وہ اسے پاک کر دیتی ہے۔

دوسری روایت یہ ہے:

"عن امرأة بني عبد الأشهل أنها سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! إن لنا طريقا إلى المسجد منتنا، فكيف نفعل إذا مطرنا؟ قال: أ ليس بعدها طريق طيب؟ قالت: قلت: بلى، قال: فهذه بهذه"[1]

بنو عبدالاشہل کی ایک خاتون صحابی فرماتی ہیں: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! مسجد جانے کے لیے راستے کا ایک حصہ بدبودار ہے اگر بارش ہو جائے تو ہم کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا اس کے بعد صاف ستھرا راستہ نہیں ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو یہ (بدبودار راستہ) اس (پاک راستہ) سے پاک ہو جاتا ہے۔ پس یہ دونوں روایتیں گندے کپڑے کے زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جانے پر دلالت کرتی ہیں۔

ہمارے علما یہ کہتے ہیں: دوسری جگہ یعنی پاک راستہ کپڑے کے لیے اس لیے مطہر ہے کہ وہ کپڑے سے خشک نجاست کو دور کر دیتی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے مشکاۃ کی شرح میں یہی تاویل اختیار کی ہے، وہ اس حدیث شریف کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

---

(١) أخرجه أبو داؤد في سننه، "باب في الأذى يصيب النيل" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ٣٨٤.

’’یہ تاویل اس وقت ممکن ہے جب مذکورہ حدیث صحیح مانی جائے، ورنہ تو اس بات پر اجماع ہے کہ کپڑے پر اگر نجاست لگ جائے تو صرف دھونے سے ہی پاک ہوگا، البتہ خفین رگڑنے اور پوچھنے سے بھی پاک ہوجاتے ہیں‘‘۔[1]

مذکورہ تاویل دوسری روایت میں نہیں چلے گی؛ اس لیے کہ اس میں بارش ہونے کی صراحت ہے یعنی کپڑے پر لگنے والی نجاست تر ہے، اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اس روایت میں سوال کپڑے اور دامن کے بارے میں نہیں ہے؛ بل کہ سوال موزے اور نعل کی طہارت کے تعلق سے ہے۔ **واللہ أعلم**

☆☆☆

(۱)الملا القاري، علي بن سلطان محمد، مرقاة المفاتيح (بيروت: دار الفكر)، ج۲،ص:۴۶۷.

تیسری فصل

نماز اور اس کے متعلقات کا بیان

جوتے پہن کر مسجد میں داخل ہونا:

جوتے پہن کر مسجد میں داخل ہونے کے سلسلے میں دو مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: یہ ہے کہ اگر جوتے پاک ہوں تو مسجد میں جوتے پہن کر داخل ہونا جائز ہے، یہ بہت سے فقہا کا مذہب ہے، اور اخبار و آثار اس پر شاہد ہیں۔

دوسرا مذہب: یہ ہے کہ جوتے چپل پہن کر مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس میں مسجد کی بے حرمتی ہے۔

علامہ سید حمویؒ ''**الأشباه والنظائر**'' کے حاشیہ میں ماتن کے قول ''**في بحث أحكام المسجد**'' کے تحت لکھتے ہیں:

> ''اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ گندے جوتے اور موزوں کو اتار دے؛ کیوں کہ ان کے ساتھ مسجد میں داخل ہونے سے مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہے''۔[1]

علامہ شامیؒ رقم طراز ہیں:

''حدیث شریف میں ہے: ''**صلوا في نعالكم، ولا تشبهوا باليهود**

---

(١) المصري، ابن نجيم، زين الدين بن ابراهيم، الأشباه والنظائر (ديوبند: دارالكتاب)، ص: ٥٠.

والنصاری ‘‘[1] اپنے جوتے پہن کر نماز پڑھو اور یہود و نصاریٰ کی مشابہت مت اختیار کرو، طبرانیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے، اور جامع صغیر میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

حنابلہ کی ایک جماعت نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جوتوں میں نماز پڑھنے کو سنت کہا ہے، اگر چہ مصلی ان جوتوں کو پہن کر بازار میں بھی چلتا پھرتا ہو؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ جن جوتوں کے ساتھ مدینے کی سڑکوں پر چلتے تھے ان ہی میں نماز بھی پڑھتے تھے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: میرے نزدیک اگر مسجد کے فرش کے گندا ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر جوتے، چپلوں کے ساتھ مسجد میں داخل ہونا مناسب نہیں ہے، اگر چہ جوتے چپل پاک ہی کیوں نہ ہو، رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد نبوی میں نعلین پہن کر نماز پڑھنا تو اس وقت مسجد نبوی کے فرش پر کنکریاں بچھی رہتی تھی۔ (جن کی وجہ سے مسجد کا فرش گندا نہیں ہوتا تھا) جب کہ ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہے‘‘۔[2]

لیکن متعدد طرق اور روایات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خفین اور نعلین میں نماز پڑھنا ثابت ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ آپ کا نماز پڑھنا مسجد میں ہی ہوتا تھا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے جواز ثابت ہو گیا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

جو لوگ جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہونے کو ناجائز کہتے ہیں ان کی جانب سے یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اگر جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہونا جائز ہوتا، تو اللہ رب العزت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام مبارک: ﴿اِنِّیۡۤ اَنَا رَبُّکَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡکَ ۚ

---

(١) أخرجه الطبراني في المعجم الكبير (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ٧٠١٨.

(٢) الدمشقي، ابن عابدين، محمد أمين بن عمر، رد المحتار (ديوبند: زكريا)، ج٢، ص: ٤٢٩.

اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ﴿۱۲﴾[1] کے ذریعے وادی مقدس میں جوتے اتارنے کا حکم نہ دیتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جوتا اتارنے کی توجیہ:

علامہ لکھنویؒ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم کسی اور وجہ سے تھا جس کو امام ترمذیؒ اور دیگر حضرات نے ذکر کیا ہے:

''عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كان على موسى يوم كلمه ربه كساء من صوف و جبة صوف وسراويل صوف، و كانت نعلاه من جلد حمار ميت''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جب حضرت موسیٰ اپنے رب سے ہم کلام ہوئے تو ان کے جسم پر اون کا کرتا، اون کا جبہ اور اون کا پائجامہ تھا، اور ان کے جوتے مردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔

علامہ ابن ابی حاتمؒ نے ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے کئی ایک روایات نقل کی ہیں، جس میں جوتا اتارنے کی وجہ کی طرف اشارہ موجود ہے، وہ روایات ذیل میں موجود ہیں:

''عن علي رضي الله تعالى عنه في قوله تعالى: ﴿اخلع نعليك﴾، قال: كانتا من جلد حمار ميت، فأمر بخلعها. و عن الزهري قال: كانتا من جلد حمار أهلي. و عن مجاهد قال: كانت نعلا موسى من جلد خنزير.

---

(١)سورۂ طٰہٰ:١٢.

(٢)أخرجه الترمذي في سننه، ''باب لبس الصوف'' (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث:١٧٣٤.

وعن عكرمة قال: إنما أمر بخلع نعليه كي يلمس راحة قدميه الأرض الطيبة"[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ رب العزت کے قول: ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾ میں جوتے اتارنے کا حکم اس لیے تھا کہ وہ دونوں جوتے مردار گدھے کی کھال کے تھے۔ امام زہریؒ سے روایت ہے کہ جوتے اتارنے کا حکم اس لیے دیا گیا کیوں کہ جوتے پالتو گدھے کی کھال سے بنے ہوئے تھے۔ حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ کے جوتے خنزیر کی کھال کے تھے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جوتے اتارنے کا حکم اس لیے تھا؛ تاکہ ان کے پیروں کے تلوے اس مقدس زمین سے مس ہو جائے۔

عبدالرزاقؒ اور فریابیؒ نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کو نقل کیا ہے۔

عبد بن حمیدؒ نے بھی اس سلسلے میں کئی روایات نقل کی ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

"عن علي رضي الله تعالى عنه في قوله تعالى: ﴿اخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾، قال: كانتا من جلد حمار ميت، فأمر بخلعها. عن الحسن قال: ما بال خلع النعلين في الصلاة، إنما أمر موسى أن يخلع نعليه لأنهما كانتا من جلد حمار ميت. و عن كعب مثله. وعن عكرمة قال: إنما أمر بخلع نعليه كي يلمس راحة قدميه الأرض الطيبة.

﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾ سے متعلق امام رازیؒ کے نکات:

علامہ فخر الدین رازیؒ نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے اور ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾ کی کئی ایک توجیہات بیان کی ہیں:

---

(١) الرازي، عبد الرحمن ابن أبي حاتم، تفسير ابن أبي حاتم (رياض: مكتبة نزار مصطفى)، ج٧، ص: ٢٣١٧.

(۱) وہ جوتے مردار گدھے کی کھال کے تھے۔ علامہ رازیؒ نے اس قول کو حضرت علیؓ، مقاتلؒ، کلبیؒ، ضحاکؒ اور قتادہؒ کی جانب منسوب کیا ہے۔

(۲) خلع نعلین کا حکم اس لیے تھا؛ تاکہ ان کے پیر بھی وادی مقدس کی برکت حاصل کر لیں، یہ حسنؒ، سعید بن جبیرؒ، اور مجاہدؒ کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس حکم خداوندی کو وادی مقدس کی تعظیم پر محمول کیا جائے، بایں طور کے باری تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل کرے اور بندہ تواضع وخاکسری کا پیکر رہے۔

علامہ رازیؒ فرماتے ہیں: صوفیا نے بھی اس حکم خداوندی کی کچھ توجیہات بیان کی ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) خواب میں نعل کی تعبیر بیوی بچوں سے کی جاتی ہے، پس اللہ رب العزت کے اس فرمان: ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ﴾ میں اسی بات کی جانب اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے دل کو اپنے بیوی بچوں میں نہ لگائیں اور ان میں ہی مشغول ہو کر نہ رہ جائیں۔

(۲) خلع نعلین سے مراد دنیا اور آخرت کی طرف عدم التفات ہے، کہ خود کو دنیا آخرت کی طرف متوجہ نہ کر کے اپنے دل کو معرفت الٰہی سے سرشار کیجیے اور وادی مقدس سے مراد اللہ رب العزت کی عظمت وجلال ہے۔

(۳) انسان جب صانع کے وجود پر استدلال کرنا چاہتا ہے تو اسے دو مقدمات کی ضرورت پڑتی ہے، جن کی ترتیب سے مقصود تک رسائی ہوتی ہے، اور کبھی مخلوق خداوندی میں غور وفکر کر کے خالق حقیقی تک پہنچنے کی سبیل پیدا ہوتی ہے گویا ترتیب مقدمات کو جوتوں سے تشبیہ دے کر اس بات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ وادیٔ مقدس ہے جو سراپا معرفت الٰہی کا سرچشمہ اور ربانی تجلی کا مظہر ہے، یہاں بحضور قلب وروح خدا تعالیٰ کی جانب متوجہ رہیے اور جوتے اتار دیجیے؛ تاکہ آپ کی توجہ اور آپ کا دھیان ادھر ادھر نہ بھٹکے۔ مزید لکھتے

ہیں: اس آیت میں جوتے پہن کر نماز پڑھنے یا طواف کرنے کی کراہت پر کوئی دلالت نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم جوتے اتارنے کے حکم کی علت وادی کی تعظیم اور اللہ کے کلام کی تعظیم تسلیم کریں تو یہ حکم صرف اسی خاص موقع تک محدود ہوگا اور اگر ہم اس حکم کی یہ علت بیان کریں کہ وہ نعلین حمار کی دباغت شدہ کھال سے بنے ہوئے تھے، تو ممکن ہے کہ دباغت شدہ گدھے کی کھال پہننا ممنوع ہو، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: ''**أيما إهاب دبغ فقد طهر**'' کے ذریعے منسوخ کیا ہو؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نعلین میں نماز بھی پڑھی ہے۔[1]

فتح المتعال میں علامہ المقری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مجھے وہ واقعہ یاد آرہا ہے جسے امام وقت، یگانہ روزگار، سید ابوعبداللہ المقرئ التلمسانیؒ نے اپنی کتاب ''**الحقائق والرقائق**'' میں امام فخر الدین رازیؒ کے بارے میں بیان کیا ہے:

ایک مرتبہ کی بات ہے کہ امام فخر الدین رازیؒ کا کسی شیخ کے پاس سے گزر ہوا، کسی نے اس صوفی شیخ سے کہا: یہ وہ شخص ہے جو وجودِ صانع (خالق) پر ایک ہزار دلیلیں دیتا ہے، آپ اس سے بات کریں، شیخ نے کہا: اگر وہ اللہ کو جانتے، تو دلیلوں کی ضرورت نہ پڑتی، امام فخر الدین رازیؒ تک جب یہ بات پہنچی، تو انھوں نے کہا: ہم پردے کے پیچھے سے جانتے ہیں، اور وہ (صوفی) بغیر پردے کے دیکھتے ہیں''۔[2]

---

(۱) الرازي، فخر الدّين ابن العلامة ضياء الدين، التفسير الكبير (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، ج۱۸، ص:۲۲.

(۲) التلمساني، المالكي، ابو العباس أحمد بن محمد، فتح المتعال في مدح خير النعال (القاهرة: دار القاضي عياض)، ص:۶۵.

کچھ جاہل لوگوں نے جماعت صوفیا کو اس وجہ سے کافر قرار دیا کہ انھوں نے قرآن پاک کی آیات کی ایسی تفسیر کی جو نقل (ظاہر قرآن) سے ثابت نہیں تھی، مثال کے طور پر نعلین (جوتے) کی تفسیر مقدمتین سے کرنا، حالاں کہ ایسا نہیں ہے؛ کیوں کہ صوفیا کا مقصد اپنی تفاسیر میں قطعیت اور حتمی بات کہنا نہیں ہوتا، بل کہ محض اشارہ ہوتا ہے اور اس قسم کا اشارہ اور نکتہ آفرینی موجب کفر نہیں بل کہ یہ تو حقیقت ایمان اور حق الیقین کو مستحکم کرنے میں معین ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی کتاب ''التفرقة بين الإسلام و الزندقة'' میں مذکور ہے:

بسا اوقات جب لوگوں کی ٹھوس اور قطعی دلیل تک رسائی نہیں ہو پاتی تو محض ظنی دلائل کے سہارے تاویل کی راہ اختیار کر لیتے ہیں، ایسے مواقع پر فوراً انھیں کافر ٹھہرا دینا مناسب نہیں؛ بل کہ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ پہلے یہ جانچا جائے کہ ان کی تاویل کا دائرہ کیا ہے؟ اور اس کی نوعیت کیا ہے؟ اگر وہ ایسے امر کی تاویل کر رہے ہوں جس کا دین کے بنیادی عقائد اور اصول ایمان سے تعلق نہ ہو تو اس پر کفر کا حکم لگانا روا نہیں ہے، مثال کے طور پر صوفیا کا یہ کہنا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں چاند اور سورج کو دیکھ کر فرمایا یہ میرا رب ہے، تو اس سے مراد محض اجرام فلکی نہیں تھے؛ بل کہ ان کا اشارہ نورانی مخلوقات یعنی فرشتوں کی طرف تھا، اسی طرح ان آیاتِ مبارکہ کی ان کی تاویل کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ﴾[1] اور ﴿وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ﴾[2] اور انھوں نے نعلین وعصا کے ظاہر کے بجائے باطن کی طرف معنی منتقل کئے یہ سب اسی ذیل میں آتا ہے۔ چناں چہ ایسے امور میں جو دین کے اصول ومبادی سے باہر ہوں، اگر ظن کو دلیل کا درجہ بھی دے دیا جائے تو اس پر نہ کفر کا فتویٰ لگے گا اور نہ ہی بدعت کا حکم چلے گا۔

---

(۱) سورۃ طٰہٰ: ۱۲.

(۲) سورۃ طٰہٰ: ۶۹.

خلاصۂ بحث:

حاصل کلام یہ ہے کہ خلع نعلین کے حکم سے مسجد میں جوتے پہن کر داخل ہونے کی کراہت پر استدلال درست نہیں ہے، اور اگر بالفرض اس کو دلیل مان لیا جائے تو بھی ہماری شریعت میں اس کو منسوخ قرار دینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اس تصریح سے علامہ حمویؒ کے قول کی مخالفت ہوگی؛ اس لیے کہ علامہ حمویؒ کے نزدیک مسجد میں جوتے پہن کر داخل ہونا اللہ رب العزت کے قول: ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾ کی وجہ سے مکروہ ہے۔

جوتے پہن کر مسجد میں دخول کے عدم جواز کی دلیل:

دارقطنیؒ نے ''الإفراد'' میں اور خطیب بغدادیؒ نے ''تاريخ بغداد'' میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''تعاهدوا نعالكم عند أبواب المساجد''[1] اپنے جوتوں کو مساجد کے دروازے پر ہی اتار دو۔

علامہ ابونعیمؒ ''حلية الأولياء'' میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''تفقدوا نعالكم عند أبواب المساجد''[2] جوتے چپلوں کو مساجد کے دروازے پر ہی اتار دیا کرو۔

محقق اور مفتی بہ قول:

میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ جوتے چپل پہن کر مساجد میں داخل ہونا اور جوتے چپل پہن کر نماز پڑھنا اگرچہ جائز ہے، لیکن دور حاضر میں اس پر فتوی نہیں دیا جائے گا؛

---

(۱) البغدادي، الخطيب، أحمد بن علي بن ثابت، تاريخ بغداد (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۵، ص: ۲۷۷.

(۲) الأصفهاني، أبو نعيم، أحمد بن عبد الله، حلية الأولياء (بيروت: دار الفكر)، ج۷، ص: ۲۶۹.

کیوں کہ جواز کا فتوی دینے کی صورت میں لوگوں کے طعن وتشنیع اور دیگر مفاسد کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، جیسا کہ موجودہ دور میں اس طرح کے واقعات پیش آچکے ہیں؛ اس لیے مسجد میں جوتے چپل پہن کر داخل ہونے پر میں نے بے ادبی کا فتوی دیا ہے۔

مفتی بہ قول کی تائید:

"فتح المقال" میں بعض ارباب کمال سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ جوتے چپل پہن کر مسجد میں داخل ہونا اگر چہ جائز ہے؛ لیکن دور حاضر میں یہ عمل مناسب نہیں ہے، خاص طور پر بڑی مساجد میں؛ اس لیے کہ اس میں بڑے فساد کا اندیشہ ہے؛ بل کہ بہتر ہے کہ جوتے، چپلوں کو مسجد کے دروازے کے باہر ہی رکھ دیا جائے اور ان کو اندر نہ لایا جائے۔ شیخ ابوصالحؒ مسجد میں جوتے کو بغیر ڈھکے لے کر مسجد میں داخل ہوئے تو اس پر شیخ ابومحمد علیؒ نے فرمایا: کہ تم علما کی جماعت ہو، لوگ تمہاری اقتداء کرتے ہیں، لہٰذا تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

ایک سبق آموز واقعہ:

ایک مرتبہ کی بات ہے کہ کچھ افریقی حضرات "جامع زیتونہ" میں جوتے پہن کر داخل ہونے لگے تو لوگوں نے ان سے جوتے اتارنے کے لیے کہا: اس پر ان میں سے ایک نے جواب دیا: میں ان جوتوں کے ساتھ جب بادشاہ کے پاس جا سکتا ہوں، تو اس مسجد میں کیوں داخل نہیں ہوسکتا، تو لوگوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کو قتل کر دیا، جس کے نتیجہ میں "تیونس" میں بڑا فساد رونما ہوا۔

جوتے چپل پہن کر نماز پڑھنا:

اگر جوتے چپل پاک ہوں تو انھیں پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہؓ اور تابعینؒ سے ثابت ہے اور اس سلسلے میں متعدد روایتیں وارد

ہوئی ہیں۔

جوتا پہن کر نماز پڑھنے کی روایات:

(۱) ابن عدیؒ، ابوالشیخؒ اور علامہ ابن مردویہؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''**خذوا زينة الصلاة، قالوا: وما زينة الصلاة؟ قال: البسوا نعالكم فصلوا فيها**'' نماز کی زینت اختیار کرو، صحابہؓ نے معلوم کیا کہ نماز کی زینت کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے جوتے پہن کر ان میں نماز پڑھو۔

(۲) علامہ عقیلیؒ، ابوالشیخؒ، ابن مردویہؒ اور ابن عساکرؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''**خذوا زينتكم عند كل مسجد**'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ''**صلوا في نعالكم**''[1] اپنے جوتوں میں نماز پڑھو۔

(۳) علامہ ابن مردویہؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: ''**مما أكرم الله به هذه الأمة لبس نعالهم في صلاتهم**'' اللہ رب العزت نے جس چیز کی وجہ سے اس امت کا اکرام کیا ہے وہ ان کا اپنی نمازوں میں جوتا پہننا ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جوتوں میں نماز پڑھنا اس امت کی خصوصیت ہے، جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''**أنموذج اللبيب في خصائص الحبيب**''[2] میں اس بات کی صراحت کی ہے۔

(۴) امام ابوداؤدؒ، حاکمؒ، بیہقیؒ اور ابن حبانؒ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''**خالفوا اليهود فإنهم**

---

(۱) المصري، محمد رشيد رضا، تفسير المنار (الهيئة المصرية العامة)، ج۸، ص:۳۳۹.

(۲) السيوطي، جلال الدين، أنموذج اللبيب في خصائص الحبيب (جدة: وزارة الاعلام)، ج۱، ص:۹۰.

لايصلون في خفافهم ولا نعالهم"[۱] یہود کی مخالفت کرو اس لیے کہ وہ خفین اور نعلین میں نماز نہیں پڑھتے ہیں۔

"**صحيح ابن حبان**" میں "**اليهود**" کے بعد "**النصاری**" کا بھی ذکر ہے۔[۲]

(۵) علامہ طبرانیؒ نے "**المعجم الكبير**" میں حضرت شداد بن اوسؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے: "**صلوا في نعالكم ولا تشبهوا باليهود**"[۳] اپنے نعلین میں نماز پڑھو، اور یہود کی مشابہت مت اختیار کرو۔

(۶) علامہ سیوطیؒ نے "**الدر المنثور**" میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**خالفوا اليهود وصلوا في نعالكم وخفافكم فإنهم لايصلون في خفافهم ولا نعالهم**"[۴] یہود کی مخالفت کرو اور اپنے نعلین اور خفین میں نماز پڑھو؛ اس لیے کہ یہود اپنے نعلین اور خفین میں نماز نہیں پڑھتے۔

(۷) علامہ طبرانیؒ نے "**المعجم الأوسط**" میں ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے: "**من تمام الصلاة الصلاة في النعلين**"[۵]

---

(۱) أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب الصلاة في النعل" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۶۵۲.

أخرجه الحاكم في المستدرک، باب التأمين (بيروت: دارالكتب العلمية)، رقم الحديث:۹۵۶.

أخرجه البيهقي في سننه، باب سنة الصلاة في النعلين (حيدرآباد: دارالمعارف)، رقم الحديث:۴۴۳۰.

(۲) أخرجه ابن حبان في صحيحه، باب فرض متابعة الامام (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث:۲۱۸۶.

(۳) أخرجه الطبراني في المعجم الكبير (موصل:مكتبة العلوم و الحكم)،رقم الحديث:۷۰۱۸.

(۴) الدر المنثور: ج۳،ص:۴۴۱، ط: دارالفكر بيرت.

(۵) أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط،(القاهرة:دارالحرمين)، رقم الحديث:۲۹۸۵.

کمال نماز میں سے یہ ہے کہ بندہ نعلین میں نماز پڑھے۔علامہ سیوطیؒ نے اس حدیث کوسندا ضعیف گردانا ہے۔

(۸)امام بخاریؒ نے "باب الصلوة في النعال" میں اورامام مسلمؒ،ترمذیؒ،امام نسائیؒ اورابن عساکرؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں حضرت انسؓ سے یہ سوال کیا گیا:"أكان رسول الله يصلي في نعليه؟ قال :نعم"[1] کیارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نعلین میں نماز پڑھتے تھے؟ تو حضرت انسؓ نے جواب دیا: جی ہاں،اوران سے سوال کرنے والے حضرت ابوسلمہ سعید بن یزیدالأزدیؓ ہیں،جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔دارقطنیؒ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"إسناده صحيح"اس کی سند صحیح ہے۔

(۹)ابن عساکرؒ حضرت حذیفہؓ سے روایت کرتے ہیں:"إن النبي صلى الله عليه وسلم صلى في نعليه"[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نعلین میں نماز پڑھتے تھے۔

(۱۰)ابن عساکرؒ عمر بن حریثؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:"رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي في نعلين مخصوفتين"[3] میں نے

---

(۱)أخرجه البخاري في صحيحه، "كتاب بدء الوحي" (القاهرة: دارالشعب)، رقم الحديث:۳۸٦.

أخرجه الترمذي في سننه، "باب الصلاة في النعال" (بيروت: دار إحياء التراث العربى)، رقم الحديث:۴۰۰.

أخرجه النسائي في سننه، "باب الصلاة في النعلين" (حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية)، رقم الحديث:۷۷۵.

(۲)ابن عساكر، ابو القاسم علي بن الحسن، تاريخ مدينة دمشق (بيروت: دارالفكر) ، ج۴،ص:۲۰۷.

(۳)أيضاً:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیوند لگے ہوئے جوتوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۱۱) طبرانیؒ "المعجم الكبير" میں حضرت علقمہؒ سے روایت کرتے ہیں:

"أن ابن مسعود أتى ابا موسى الأشعرى في منزله فحضرت الصلاة، فقال له ابو موسى: تقدم يا ابا عبد الرحمن! فإنک أقدم منا و أعلم، فقال: لا، بل أنت تقدم، فانا أتيناک في منزلک، فتقدم ابوموسى، فخلع نعليه، فلما صلى، قال ابن مسعود: لم خلعت نعليک؟ أ بالوادالمقدس أنت؟ لقد رأيت رسول الله يصلى فى الخفين والنعلين"[۱]

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابوموسی اشعریؓ کے گھر تشریف لے گئے، تو نماز کا وقت ہو گیا، تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے کہا: ابوعبدالرحمٰن! آگے بڑھ کر نماز پڑھایئے؛ اس لیے کہ آپ مجھ سے عمر رسیدہ اور بڑے عالم ہیں، تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا: نہیں، بل کہ آپ ہی آگے بڑھیے؛ کیوں کہ ہم تو آپ کے گھر میں مہمان ہیں، تب حضرت ابوموسی اشعریؓ آگے بڑھے اور اپنے جوتے اتار کر نماز پڑھائی، جب نماز پوری ہوگئی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے معلوم کیا کہ آپ نے اپنے جوتے کیوں اتار دیے؟ کیا آپ وادی مقدس میں تھے؟ میں نے رسول اللہ کو خفین اور نعلین میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۱۲) موطا میں امام مالکؒ نے اپنے چچا ابوسہیل بن مالک کے واسطے سے اپنے والد سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں: میں عثمان ابن عفانؓ کے ساتھ تھا اور نماز کے لیے اقامت کہی گئی، اور میں ان سے اپنے لیے وظیفہ مقرر کرنے کی بات کر رہا تھا، میں ان سے مسلسل بات کر رہا تھا اور وہ جوتوں سے کنکریوں کو برابر کرنے میں مصروف تھے یہاں تک کہ صفوں کی درستگی پر مقرر حضرات نے آکر حضرت عثمان غنیؓ کو بتایا کہ صفیں سیدھی ہوگئی ہیں، تو حضرت عثمانؓ

---

(۱) أخرجه الطبراني في المعجم الكبير (موصل: مكتبة العلوم و الحكم)، رقم الحديث: ۹۱۶۰.

نے مجھ سے کہا: تم بھی صف میں سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور پھر انھوں نے تکبیر کہی۔[1]

یہ سب احادیث، اخبار اور آثار اس بات پر شاہد ہیں کہ جوتے، چپل پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے خواہ وہ نماز گھر میں پڑھی جائے یا مسجد میں پڑھی جائے۔

علامہ المقریؒ "فتح المتعال في مدح النعال" میں لکھتے ہیں:

"حافظ ابوزرعہ عراقی شافعیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اگر ایک شخص کے جوتے پر نجاست نہ لگی ہو لیکن وہ انھیں پہن کر راستے میں چلتا ہو، تو کیا مسجد کے احترام کے لیے ان جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نعلین میں نماز پڑھتے تھے تو وہ نماز مسجد میں پڑھتے تھے یا نہیں؟ حافظ زین الدین عراقیؒ جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: اگر اس بات کا یقین ہو کہ جوتوں پر نجاست نہیں لگی ہے تو ان جوتوں کے ساتھ مسجد میں چلنا مکروہ نہیں ہے، اور اگر نجاست کا یقین ہو تو پھر جوتوں کو پہن کر مسجد میں چلنا حرام ہے، اگر جوتوں پر لگی نجاست تر ہو یا جوتے پہن کر مسجد میں گیلی جگہ قدم رکھ دے یا جوتوں سے مسجد میں نجاست کے جھڑنے کا اندیشہ ہو تو ان تمام صورتوں میں جوتے پہن کر مسجد میں چلنا حرام ہے، اور اگر مذکورہ صورت نہ پائی جائے یعنی نجاست خشک ہو اور مسجد کے گیلے حصے میں نہ چلے یا مسجد کے ناپاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر جوتے پہن کر چلنے کی اجازت ہے۔ رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نعلین مبارک میں نماز پڑھنے کا سوال، تو ظاہر ہے کہ وہ نماز مسجد میں ہی ہوتی تھی، اور صحیحین میں حضرت سعید بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے انس بن مالکؓ سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ نعلین میں نماز پڑھتے تھے، تو حضرت انسؓ نے جواب دیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعلین میں نماز پڑھتے تھے،[2] اور ظاہر ہے کہ یہ آپ

---

(۱) أخرجه المالك في الموطأ، "باب ما جاء في تسوية الصفوف" (مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان)، رقم الحديث: ۵۴۳.

(۲) أخرجه البخاري في صحيحه، "كتاب بدء الوحي" (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث: ۳۸۶.

صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مستمرہ اور دائمہ رہی ہوگی۔

حافظ ابوزرعہ عراقیؒ اپنے والد حافظ زین الدین عراقیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''میرے والد ماجد نے اپنی ترمذی کی شرح میں اس موضوع پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے: کہ صحابہ اور تابعین کا جوتوں میں نماز پڑھنے کے سلسلے میں اختلاف ہے، کیا جوتوں میں نماز پڑھنا مستحب ہے یا مباح ہے یا مکروہ؟ اس باب میں راجح قول یہ ہے کہ جوتے پہن کر یا جوتے اتار کر نماز پڑھنے کا حکم یکساں ہے اور دونوں صورتیں جائز ہیں، بشرطیکہ جوتوں پر نہ تو حقیقت میں نجاست لگی ہو اور نہ مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو''۔ (۱)

حافظ ابوزرعہ عراقیؒ پر تعریض:

حافظ زین الدین عراقیؒ کی مذکورہ گفتگو عمدہ اور پر لطف ہے، لیکن حدیث انسؓ سے نماز پڑھنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مستمرہ اور دائمہ گردانا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ دوام واستمرار پر کوئی صریح دلیل نہیں ہے اور ممکن ہے کہ علامہ عراقیؒ نے عادت مستمرہ پر حدیث میں مذکور لفظ ''کان'' سے استدلال کیا ہو، لیکن یہ استدلال کمزور ہے؛ اس لیے کہ لفظ ''کان'' اہل عرب کے یہاں استمرار ودوام پر دلالت نہیں کرتا، جیسا کہ علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔

''الصلاة في النعال'' اور محدثین کا نظریہ:

علامہ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں:

''جوتے پہن کر نماز پڑھنا از قبیل رخصت ہے؛ اس لیے کہ

---

(۱) التلمساني، المالكي، أبو العباس أحمد بن محمد، فتح المتعال في مدح خير النعال (القاهرة: دار القاضي عياض)، ص: ۴۸.

شریعت نے بہ وقت نماز زیب وزینت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بات تسلیم ہے کہ جوتے چپل پہننا از قبیل زینت ہے، لیکن دوران نماز جوتے چپل پہننے سے مطلوبہ زینت حاصل نہیں ہوتی؛ کیوں کہ جوتے چپل کا گندی جگہوں سے گزر ہوتا ہے اور ان کے آلودہ ہونے کا امکان واندیشہ بھی ہوتا ہے، جو زینت کے معارض ہے اور اور یہ جلب منفعت کے خلاف ہے اور فقہ کا ضابطہ ہے کہ جب جلب منفعت اور دفع مضرت جمع ہوجائے تو دفع مضرت پر عمل کیا جاتا ہے؛ اس لیے جوتے اور چپلوں کے بغیر نماز ادا کرنا زیب وزینت ونفاست ہے، اور جوتا پہن کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ موانع موجود نہ ہوں۔''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں:

''ابوداؤدؒ اور حاکمؒ نے حضرت شداد ابن اوسؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے: ''**خالفوا اليهود ؛فإنهم لا يصلون في نعالهم ولا خفافهم**''[1] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی مخالفت کی غرض سے جوتوں میں نماز پڑھنا مستحب ہے، اور جس روایت میں ''**صلاة في النعال**'' کی علت آیت قرآنی ''**خذوا زينتكم**'' کی وجہ سے زینت اختیار کرنا بتلائی گئی ہے تو وہ ضعیف ہے، علامہ ابن عدیؒ نے اس روایت کو ''الکامل'' میں اور علامہ ابن مردویہؒ نے اسی روایت کو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور

---

(۱) أخرجه أبوداؤد في سننه، ''باب الصلاة في النعل'' (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:٦٥٢.

أخرجه الحاكم في المستدرك، ''باب التأمين'' (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث:٩٥٦.

علامہ عقیلیؒ نے حضرت انسؓ سے اس روایت کو ذکر کیا ہے"۔[۱]

علامہ المقریؒ اپنی کتاب "فتح المتعال في مدح النعال" میں "صلوة فی النعال" کے حکم پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ابوداؤد میں عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ سے ایک روایت ہے: "رایت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حافیا ومتنعلا"[۲] میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ننگے پیر اور جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، پس مذکورہ روایت سے بلا کراہت "صلاة في النعال" کا جواز معلوم ہو رہا ہے"۔[۳]

امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" میں "صلاة في النعال" کو افضل کہا ہے۔ ابن ابی خیثمہؒ حضرت اوس ثقفیؓ سے روایت کرتے ہیں: "اقمت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم نصف شهر فرأيته يصلي و عليه نعلان متقابلتان"[۴] میرا آدھے مہینے رسول اللہ کے پاس قیام رہا، میں نے آپ کو دونوں پیروں میں جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

جوتے پہن کر نماز پڑھنے کے سلسلے میں راجح قول:

اس سلسلے میں راجح قول یہ ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ فعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، رہی افضلیت کی بات تو اگر آپ صلی

---

(۱)العسقلاني، شهاب الدين أبو الفضل، فتح الباري (بيروت: دار المعرفة)، ج۱،ص:۴۹۴.

(۲)أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب الصلاة في النعل" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۶۵۳.

(۳)التلمساني، المالكي، أبو العباس أحمد بن محمد، فتح المتعال في مدح خير النعال (القاهرة: دار القاضی عياض)، ص:۴۹.

(۴)أخرجه الطبراني في المعجم الكبير (موصل: مكتبة العلوم و الحكم)، رقم الحديث:۵۹۶.

اللہ علیہ وسلم کی ایک اقتداء مقصود ہو تو بہت بہتر ہے، ورنہ تو یہ صرف ایک مباح فعل اور شریعت کی جانب سے ایک قسم کی رخصت ہے۔ محققین فقہا اور جمہور محدثین کا یہی نقطہ نظر ہے، جب کہ عام فقہا فرماتے ہیں: کہ مصلی کے لیے مستحب ہے کہ وہ بہ وقت نماز تین کپڑے زیب تن کرے، اور نعل وغیرہ ان کی عبارت میں مذکور نہیں ہے۔

جوتوں میں نماز پڑھنے کی شرط:

صحت نماز کے لیے نعلین کا پاک ہونا ایسے ہی ضروری ہے جیسے باقی کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔

علامہ برجندیؒ "النقاية شرح الوقاية" کی شرح میں "هي طهر بدن المصلي من حدث و خبث و ثوبه" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مناسب ہوتا اگر کپڑوں کی مراد میں عموم ہوتا اور ٹوپی، موزے اور جوتے شامل ہوتے۔[1] کیا ہی اچھا ہوتا اگر علامہ برجندیؒ ثوب کی مراد کو اس طرح بیان کرتے: "و ثوبه أعم من أن يكون ملبوسه أو مبسوطه أو متصلا أو محمولا عليه أو غير ذلك مما له تعلق بالمصلي" ثوب سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کا مصلی سے براہ راست تعلق ہو، خواہ وہ اس کا لباس ہو یا اس کی بچھائی ہوئی چیز، یا اس سے متصل چیز ہو یا وہ چیز ہو جو اس کے اوپر رکھی ہوئی ہو؛ اس لیے کہ ان سب کا بھی پاک ہونا نماز کی صحت کے لیے شرط ہے۔

نماز کے لیے جوتوں کے پاک ہونے کے شرط ہونے کی دلیل:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بأصحابه إذ خلع نعليه،

---

(۱) العيني، محمود بن أحمد بن موسى، البناية شرح الهداية (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۱، ص: ۷۱۰.

فوضعهما عن يساره، فلما رأى القوم ذلک ألقوا نعالهم، فلما قضى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صلاته قال: ما حملكم على إلقائكم نعالكم، قالوا: رأيناک ألقيت نعليک فألقينا نعالنا، فقال: إن جبرئيل أتاني فأخبرني أن فيهما قذرا، ثم قال؛ إذا جاء أحدكم المسجد فلينظر فإن رأى في نعليه قذرا أو أذى فليمسحه و ليصل فيهما"[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنے جوتوں کو اتار کر اپنی بائیں جانب رکھ دیا، جب صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو دیکھا تو انھوں نے بھی اپنے جوتوں کو اتار دیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے معلوم کیا کہ تم لوگوں نے اپنے جوتوں کو کیوں اتارا؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ہم نے آپ کو جوتا اتارتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی آپ کی اقتداء میں اپنے جوتوں کو اتار دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس تو حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تھے اور انھوں نے مجھے بتایا کہ میرے جوتوں میں گندگی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو وہ دیکھ لے اگر اسے اپنے جوتوں میں گندگی نظر آئے تو اسے صاف کر کے نماز پڑھے۔

مذکورہ حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے ذکر کیا ہے، ابن حبانؒ نے "صحيح ابن حبان" میں، حاکمؒ نے "المستدرک" میں، عبد ابن حمیدؒ نے "مسند عبد بن حميد" میں، اسحاق ابن راہویہؒ اور ابو یعلی الموصلیؒ وغیرہ نے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا ہے۔[2]

---

(۱) أخرجه ابوداؤد في سننه، "باب الصلاة في النعل" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:٦٥٠.

(۲) أخرجه الحاكم في المستدرک، (بيروت: دارالكتب العلمية)، رقم الحديث:٩٥٥.
أخرجه ابن حبان في صحيحه، (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث:٢١٨٥.
أخرجه عبد بن حميد في مسنده، (القاهرة: مكتبة السنة)، رقم الحديث:٨٨٠.
أخرجه أبو يعلى في مسنده، (دمشق: دارالمأمون للتراث)، رقم الحديث:١١٤٩.

علامہ عینیؒ نے ہدایہ کی شرح میں حدیث مذکور پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مذکورہ حدیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ موزہ رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث ابی سعیدؓ نا قابل استدلال ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا اعادہ نہیں کیا، اگر نجاست ہوتی تو نماز کا اعادہ کرتے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت نجاست کے ساتھ نماز کی ممانعت کا حکم وارد نہیں ہوا تھا اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ نجاست ایک درہم کی مقدار سے کم ہو''۔ (۱)

''**فتح المتعال**'' میں ہے:

''بعض فقہاء شوافع نے لکھا ہے: کہ حدیث ابی سعیدؓ میں ''**قذر**'' سے مراد وہ معمولی خون ہے جو شرعی طور پر معاف ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس لیے ہٹایا؛ تا کہ نجاست سے پاکی حاصل کی جا سکے، حالاں کہ وہ معفو عنہ مقدار تھی۔

بعض متأخرین مالکی فقہا کا کہنا ہے: اس کو زیادہ مقدار پر بھی محمول کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس وقت یہ سحنون اور بعض دیگر علما کے اس قول کی دلیل ہو سکتی ہے کہ اگر کسی کو نماز کے دوران نجاست یاد آئے اور اسے دور کرنا ممکن ہو تو اسے دور کر لینا چاہیے اور اپنی نماز جاری رکھنی چاہیے''۔ (۲)

---

(۱) العيني، محمود بن أحمد بن موسى، البناية شرح الهداية (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۱، ص: ۷۱۰.

(۲) التلمساني، المالكي، ابو العباس أحمد بن محمد، فتح المتعال في مدح خير النعال (القاهرة: دار القاضي عياض)، ص: ۶۵.

کیا حضور ﷺ کا فعل وجوب کی دلیل ہے؟

امام نسفیؒ نے ''کشف الأسرار'' اور دیگر کتب اصول میں ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلق فعل وجوب کی دلیل نہیں ہے، جیسا کہ جوتے اتارنے والی حدیث سے مستفاد ہوتا ہے؛ اس لیے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل لازم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ پر نکیر نہ فرماتے۔[1]

ابن ملکؒ نے ''شرح المنار'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نکیر محض متابعت اور پیروی کے لیے نہیں تھی؛ بل کہ اس لیے تھی کہ جوتے اتارنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مخصوص ہونے کی وجہ جبرئیل علیہ السلام کے خبر دینے کو بیان کیا۔

لیکن غور کیا جائے تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جوتے اتارنے کے مخصوص ہونے کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے ذریعے ہوا، صحابہ کرامؓ کو اس سے پہلے اس کا علم نہیں تھا، انھوں نے تو محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جوتے اتارے، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا محض فعل کسی حکم کو لازم کرنے کے لیے کافی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ نہ پوچھتے کہ تمھیں جوتے اتارنے پر کس چیز نے ابھارا؟ بل کہ خصوصی حکم کا ذکر ہی کافی ہوتا۔ ابن حاجبؒ نے اپنی ''مختصر'' میں اس حدیث کو ان لوگوں کے لیے دلیل بنایا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو وجوب کی دلیل مانتے ہیں۔

اس کی شرح علامہ عضدالدینؒ نے کی ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی اتباع لازم نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس پر برقرار نہ رکھا ہوتا، حالاں کہ برقرار رکھا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکیر فرماتے۔ لیکن میرے نزدیک پہلا قول زیادہ مناسب

---

(۱) النسفي، حافظ الدين، أبو البركات عبدالله بن أحمد، كشف الأسرار شرح المصنف على المنار (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۲، ص:۱۶۰.

ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل کسی حکم کو واجب نہیں کرتا؛ کیوں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا محض فعل وجوب کی دلیل ہوتا تو پہلے سوال کا کوئی مطلب نہ ہوتا، اور بعد میں صحابہ کو اس پر برقرار رکھنا حکم کے وجوب کی دلیل نہیں بن سکتا، جیسا کہ اہل نظر پر واضح ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

''اگر جوتوں کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر جوتے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، اور اگر جوتوں میں ایسی نجاست لگی ہو جو صحت صلوٰۃ کے لیے مانع ہو تو پہلے اس نجاست کو دور کر لے، اور اگر نماز میں اس جوتے میں نجاست اتنی دیر تک لگی رہی کہ جتنی دیر میں ایک رکن ادا ہو جاتا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور افضل یہ ہے کہ جوتوں کو نماز میں اپنے آگے رکھ لیا جائے؛ تاکہ اس کا دل بے فکر رہے، اسی لیے کہا جاتا ہے: ''**قدم قلبک أي نعلک في الصلوة**''، یعنی نماز میں اپنے جوتے اپنے آگے رکھیے''۔[1]

جوتے چوری ہونے کی صورت میں نماز توڑنے کا حکم:

اگر کوئی شخص اپنے جوتے اتار کر نماز پڑھ رہا ہو اور اسے یہ خدشہ ہو کہ چور اس کے جوتے چوری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اور اس کا گمان ہے کہ اگر اس نے نماز نہیں توڑی تو وہ اس کے جوتے چوری کر لے گا تو ایسی صورت میں مصلی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے جوتوں کے تحفظ کے لیے اپنے نماز کو توڑ دے؛ اس لیے کہ فقہا نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر مصلی کو اپنی جان یا اپنے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے نماز توڑنا جائز ہے؛ اس لیے کہ بندے کا حق اللہ کے حق پر مقدم ہوتا ہے، جیسا کہ فقیہ اسماعیل

---

(۱) الخوارزمي، محمد بن محمد بن شهاب البزازي، الفتاوى البزازية (ديوبند: زكريا)، ج۱، ص:۴۲.

النابلسیؒ نے ''شرح الدرر'' میں اور فقیہ عبدالغنی النابلسیؒ نے ''الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية'' میں ذکر کیا ہے۔

نماز کے دوران جوتے چپل کہاں رکھیں؟

اگر کوئی شخص نماز کے وقت اپنے جوتے اتارنے کا قصد کرے تو ان کو اپنی دائیں جانب نہ رکھے؛ دائیں جانب کے شرف کو مدنظر رکھتے ہوئے، اور اگر بائیں جانب کوئی اور بیٹھا ہو تو وہاں بھی نہ رکھے، اور اگر پیچھے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو پیچھے بھی نہ رکھے؛ بل کہ ان کو اپنے پیروں کے سامنے رکھے، جیسا کہ کہا جاتا ہے ''ضع النعلين تحت العين'' جوتوں کو آنکھوں کے سامنے رکھو، فقہا نے اس سلسلے میں یہی وضاحت کی ہے اور یہی بات عقل ونقل کے مطابق ہے۔

جوتے ہاتھ میں اٹھانے کا طریقہ:

مالکی فقیہ ابوعبداللہ ابن الحاج الفاسی المالکیؒ نے ''مدخل الشرح على المذاهب الأربعة'' کی فصل ''الخروج إلى المسجد'' کے ذیل میں کافی عمدہ کلام کیا ہے:

''جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے کا قصد کرے تو اسے سنت کے مطابق اپنے جوتے بائیں ہاتھ میں اٹھانے چاہیے اور نکلتے وقت بھی ایسا ہی کرنا چاہیے؛ کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ناخوشگوار چیز کے اٹھانے میں بائیں ہاتھ کا استعمال کرنا چاہیے اور پاکیزہ چیز کے اٹھانے میں دائیں ہاتھ کا استعمال کرنا چاہیے، پس اگر کوئی اس عمل کو اس نیت سے کرے گا تو وہ اس بدعت سے محفوظ رہے گا جس میں آج کل بہت سے علما مبتلا ہیں، اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب یہ لوگ مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو جوتا دائیں ہاتھ سے اٹھاتے ہیں، اور ان کے بائیں ہاتھ میں کتاب ہوتی ہے، ایسی صورت میں ان سے کئی خرابیاں سرزد ہوتی ہیں: پہلی خرابی یہ ہے کہ سنت سے لاعلمی ظاہر ہوتی ہے، دوسری خرابی یہ ہے کہ

جب وہ مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو سنت کی خلاف ورزی کا صدور ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کی ابتدا ہی بدعت سے ہوئی، تیسری خرابی: بدعت کا ارتکاب ہے، اور چوتھی خرابی یہ ہے کہ عوام الناس ان کے اس عمل کی اقتداء کرنے لگتے ہیں جس کے نتیجے میں یہ غلطی عام ہو جاتی ہے۔

جوتوں کے لیے ایک تھیلی ساتھ رکھیں:

اسی طرح سنت یہ ہے کہ مصلی جوتے کو قبلہ کی جانب (دائیں جانب) یا اپنے پیچھے نہ رکھے؛ اس لیے کہ اگر جوتے کو پیچھے رکھے گا تو نماز کے دوران سکون خاطر نصیب نہیں ہوگا اور انتشار ذہنی کا شکار رہے گا، نیز خشوع متاثر ہوگا، اور دائیں جانب اس لیے نہیں رکھے گا؛ کیوں کہ دائیں جانب پاک چیزوں کے لیے مخصوص ہے، پس جوتا بائیں جانب رکھنا اولی ہے۔ ابوداؤد، صحیح بخاری اور مسلم شریف میں یہ منقول ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلغم جیسی پاک چیز کو بھی قبلہ کی جانب دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور اس کو اپنے ہاتھ سے صاف کیا، جب کہ بلغم فی نفسہ پاک ہے، پس جوتا جس کے آلودہ ہونے کا غالب گمان ہے اس کا حکم اور زیادہ سخت ہونا چاہیے۔ اگر کوئی بائیں جانب بیٹھا ہو تو پھر اپنی بائیں جانب بھی نہ رکھنا چاہیے؛ اس لیے کہ وہ دوسرے کی دائیں جانب ہوگا؛ لہٰذا بہتر ہے کہ ان کو اپنے سامنے رکھے اس طرح کے جب وہ سجدہ میں جائے تو اس کی ٹھوڑی اور گھٹنوں کے درمیان آئے؛ اسی لیے مستحب یہ ہے کہ مصلی کے پاس کوئی کپڑا یا تھیلی ہو جس میں وہ جوتوں کو رکھے۔"[1]

ابوداؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) الفاسي، أبو عبدالله ابن الحاج، مدخل الشرح على المذاهب الأربعة (سيريا: دار التراث)، ج۱، ص:۳۹.

"إذا صلى أحدكم فلا يضع نعليه عن يمينه ولا يساره، فيكون عن يمين غيره الا أن لا يكون عن يساره أحد، وليضعهما بين رجليه"[۱]

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے جوتے نہ اپنی دائیں جانب رکھے اور نہ بائیں جانب رکھے کہ وہ دوسرے کی دائیں جانب ہوگا، الا یہ کہ بائیں جانب کوئی نہ ہو (تو بائیں جانب رکھ سکتا ہے) بل کہ ان کو اپنے پیروں کے سامنے رکھے۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کیا گیا ہے: "إذا صلى أحدكم فخلع نعليه فلا يؤذ بهما أحدا ليجعلهما بين رجليه أو ليصل فيهما"[۲] جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کے لیے جوتے اتارے تو ان کے ذریعے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے؛ بل کہ ان کو اپنے پیروں کے سامنے رکھ لے یا انھیں پہن کر ہی نماز پڑھ لے۔

تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن صائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي يوم الفتح ،و وضع نعليه عن يساره"[۳] میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس حال میں کہ انھوں نے اپنے جوتوں کو بائیں جانب اتار رکھا تھا۔ علامہ طیبیؒ نے مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے: اس حدیث میں امت کے لیے اس بات کی تعلیم ہے کہ جوتوں کو بائیں جانب رکھنا چاہیے۔[۴] ملا علی قاریؒ "مشکاۃ" کی شرح میں مذکورہ حدیث پر کلام کرتے

---

(۱) أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب المصلى اذا خلع نعليه" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:٦٥٤.

(۲) أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب المصلى اذا خلع نعليه" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:٦٥٥.

(۱) أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب المصلى إذا خلع نعليه" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:٦٤٨.

(۲) الطيبي، شرف الدين، حسين بن عبدالله، الكاشف عن حقائق السنن (رياض: مكتبة نزار المصطفى)، ج۳،ص:۹۱۵.

ہوئے فرماتے ہیں: یہ حدیث نماز کے اندر عمل قلیل کے جواز پر دلیل بن سکتی ہے۔[۱]

دوران نماز موذی جانوروں کو جوتے سے مارنے کا حکم:

اگر نماز میں سانپ اور بچھو سے تکلیف کا اندیشہ ہو تو دوران نماز اس کو قتل کرنا جائز ہے۔علامہ ابن امیر حاجؒ "منية المصلي" کی شرح "حلبة المجلي" میں لکھتے ہیں:

حدیث ابوداؤد سے بچھو کو نماز کے اندر بائیں جوتے سے قتل کرنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے، اگر بائیں جوتے سے اسے قتل کرنا ممکن ہو، اور اس مسئلہ میں سانپ کو بچھو پر قیاس کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مذکورہ حدیث سے وہ روایت مراد ہے جو مراسیل ابوداؤد میں مذکور ہے، نہ کہ سنن ابوداؤد کی روایت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إذا وجد أحدكم عقربا وهو يصلي فليقتلها بنعله اليسرى"[۲] اگر تم میں سے کسی کو نماز پڑھتے ہوئے بچھو دکھ جائے تو اس کو اپنے بائیں جوتے سے مار دو۔

ایک شبہ کا ازالہ:

مذکورہ روایت پر راوی کی جہالت کا اعتراض بے محل ہے؛ اس لیے کہ حدیث میں مجہول صحابی ہیں اور محدثین کے نزدیک صحابی کی جہالت سے روایت کے استناد و اعتبار پر کوئی فرق نہیں پڑتا؛ کیوں کہ تمام صحابہ عادل اور ثقہ ہیں، اور اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ صحابی کی جہالت مضر ہے پھر بھی اس حدیث سے کم از کم استحباب تو ثابت ہو ہی جائے گا؛ کیوں کہ ثبوت استحباب کے لیے حدیث ضعیف بھی کافی ہوتی ہے، البتہ موضوع روایت نا قابل اعتبار ہوتی ہے اور یہ مسلمہ ضابطہ ہے کہ جہالت راوی کی وجہ سے کوئی روایت موضوع نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا اس روایت سے استحباب تو ثابت ہو ہی جائے گا۔

---

(۱) الملا القاري، علي بن سلطان محمد، مرقاة المفاتيح (بيروت: دار الفكر)، ج۲، ص:۶۳۷.

(۲) السجستاني، أبو داؤد، سليمان بن الأشعث، المراسيل (بيروت: مؤسسة الرسالة)، ص:۸۵.

دوران نماز بچھو کو قتل کرنے کا حکم:

حافظ ابونعیم اصفہانیؒ نے ''تاریخ اصفہان'' میں اور امام بیہقیؒ نے ''شعب الإیمان'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لدغت العقرب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وهو يصلي، فلما فرغ قال: لعن الله العقرب ما تدع مصليا، ولا غيره، ولا نبينا، ولا غيره إلا لدغته، ثم تناوله نعله وقتلها به، ثم دعا بماء وملح، فجعل يمسح عليها، و يقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ و المعوذتين''[1] ایک بچھو نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ حالت نماز ڈنک مار دیا، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچھو پر اللہ کی لعنت ہو جو نمازی اور غیر نمازی، نبی اور غیر نبی سب کو ڈنک مارتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتے سے اس کو قتل کیا، اس کے بعد پانی اور نمک منگوا کر اس جگہ پر مل لیا جہاں اس نے ڈنک مارا تھا، اور ﴿قل هو الله احد﴾ اور ''معوذتین'' پڑھ کر اس پر دم کیا۔

اسی سلسلے میں علامہ طبرانیؒ اور ابو یعلی الموصلیؒ نے بھی حضرت عائشہؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے:

''دخل علي ابن أبي طالب على رسول الله صلى الله عليه وسلم و هو يصلي، فقام إلى جنبه، فصلى بصلاة، فجاء عقرب حتى انتهت إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم ثم تركته، فذهبت نحو على، فضربها بنعله حتى قتلها، فلم ير رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم بقتلها بأسا''[2]

---

(۱) الأصفهاني، أبو نعيم، أحمد بن عبدالله، تاريخ أصبهان (بيروت: دار الفكر)، ج۲، ص:۱۹۳.
البيهقي، أبوبكر أحمد بن الحسين، شعب الإيمان (بومبائي: مكتبة الرشد)، ج۴، ص:۱۶۹.

(۲) أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط (القاهرة: دار الحرمين)، رقم الحديث:۸۶۵۳.
أخرجه أبو يعلى في مسنده (دمشق: دار المأمون)، رقم الحديث:۴۷۳۹.

حضرت علیؓ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت علیؓ بھی آپ کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، اس دوران ایک بچھو نکلا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت علیؓ کی طرف چل پڑا، حضرت علیؓ نے اس کو اپنے جوتے سے مار کر قتل کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کرنے پر کوئی نکیر نہیں کی۔

درجہ حدیث:

علامہ دمیریؒ "حیاۃ الحیوان" میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن صالح ہے، جس کی بنا پر یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے: "**أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قتل عقربا و هو يصلي**"[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھتے ہوئے ایک بچھو کو قتل کیا۔

دوسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی گئی ہے وہ فرماتی ہیں:

"**لدغت العقرب رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم في الصلاة، فقال: لعن اللّٰه العقرب ما تدعي مصليا و لا غير مصليا، اقتلو في الحل والحرم**"[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے بچھو نے ڈنک مار لیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بچھو پر اللہ کی لعنت ہو جو نمازی اور غیر نمازی کسی کو نہیں چھوڑتا ہے، اس کو حل اور حرم دونوں جگہ قتل کر دو۔

حافظ ابونعیمؒ "**تاريخ اصفهان**" میں، علامہ مستغفریؒ نے "**الدعوات**" میں اور علامہ بیہقیؒ "**شعب الايمان**" میں حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں:

---

(۱) أخرجه ابن ماجه في سننه، "باب ما جاء في قتل الحية" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۱۲۴۷.

(۲) أيضاً:

"لدغت رسول الله صلى الله عليه وسلم عقرب و هو في الصلاة، فلما فرغ من صلاته قال: لعن الله العقرب ما تدع مصليا و لا غيره الا لدغته، و تناوله نعله فقتلها به، ثم دعا به بماء و ملح، فجعل يمسح عليها و يقرأ "قل هو الله أحد و المعوذتين"[1]

ایک بچھو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے دوران ڈنک مار لیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بچھو پر اللہ کی لعنت ہو جو نمازی اور غیر نمازی سب کو ڈنک مارتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتے سے اس کو قتل کر دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی اور نمک منگوایا، اور زخم پر اس کو لگایا، اور ﴿قل هو الله احد﴾ اور "معوذتین" پڑھ کر دم کیا۔

امام کا مقتدی کے جوتے کی آہٹ سن کر رکوع لمبا کرنا:

اگر امام رکوع یا سجدے میں ہو اور وہ آنے والے مقتدیوں کے جوتوں کی آواز سنے تو کیا رکوع یا سجدے کو لمبا کر سکتا ہے؟ اس سلسلے میں فقہا کا اختلاف ہے: بعض فقہا نے تو ایسا کرنے والے پر شرک کا حکم لگایا ہے، بعض نے اس کو مکروہ کہا ہے، بعض نے اسے شرک کے قریب عمل کہا ہے، بعض کے نزدیک ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کچھ لوگ اس کو مستحب کہتے ہیں، اور بعض علماء نے یہ تفصیل بیان کی کہ اگر نماز میں شامل ہونے والا اس بات کو جانتا ہو تو مکروہ ہے ورنہ کوئی حرج نہیں ہے، بعض فقہا یہ کہتے ہیں: کہ اگر اس کے ذریعے تقرب خداوندی کا ارادہ ہے تو پھر یہ عمل مکروہ نہیں ہے۔

مختلف فقہی کتابوں سے استدلال:

"المنية" اور اس کی شرح "الغنية" میں ہے:

---

(۱) الأصفهاني، أبو نعيم، أحمد بن عبدالله، تاريخ أصبهان (بيروت: دار الفكر)، ج۲، ص:۱۹۳.
البيهقي، أبوبكر أحمد بن الحسين، شعب الإيمان (بومبائي: مكتبة الرشد)، ج۴، ص:۱۷۰.

اگر امام رکوع صرف اس لیے طویل کرے تا کہ آنے والا رکوع میں شامل ہو جائے اور تقرب خداوندی کی کوئی نیت نہ ہو تو اس کا یہ فعل مکروہ تحریمی ہے، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا، تو امام صاحبؒ نے فرمایا: مکروہ ہے، اور میں اس پر امر عظیم (کفر) کا اندیشہ کرتا ہوں، ہشام نے امام محمدؒ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے، اور قاضی خانؒ نے اس مسئلے کو ''مسئلہ ریا'' کے عنوان سے ذکر کیا ہے؛ اس لیے کہ اس نے اس عمل کے ذریعے غیر اللہ کے تقرب کا قصد کیا ہے، لیکن اس کے باوجود ایسے شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی؛ اس لیے کہ اگرچہ اس نے تقرب الی اللہ کی نیت نہیں کی؛ لیکن اس عمل کے ذریعے غیر اللہ کی عبادت کا ارادہ بھی نہیں کیا گیا ہے کہ اس پر کفر کا حکم لگایا جائے، پس یہ ریا پر مبنی ایک فعل ہے، لیکن اکثر علما نے اس کو کراہت پر محمول کیا ہے، ایک قول یہ بھی ہے: کہ اگر امام آنے والے کو بعینہ جانتا ہو تب تو مکروہ ہے ورنہ کوئی حرج نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ اعانت علی الطاعت کے قبیل سے ہے۔

فقہا کے قول ''لا بأس'' کا مفہوم:

فقہا کے قول ''لا بأس'' کا مطلب عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اس کا ترک افضل ہے، اور یہاں بھی اس کا یہی مطلب مراد لینا مناسب ہے؛ اس لیے کہ ایسی عبادت جس میں اخلاص نہ ہونے کا شبہ ہو تو اس کا ترک کرنا افضل ہے، اور اگر کوئی صرف تقرب خداوندی حاصل کرنے کے لیے رکوع کو طویل کرے، اور اس کے دل میں تقرب اور اعانت علی کے علاوہ کسی قسم کا کوئی شائبہ نہ ہو تو پھر رکوع طویل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1]

''الذخيرة'' میں لکھا ہوا ہے:

اگر امام رکوع میں جوتوں کی کھڑکھڑاہٹ سنے تو کیا وہ مصلی کے نماز میں شمولیت کا

---

(۱) الحلبي، إبراهيم بن محمد بن إبراهيم، غنية المتملي (دیوبند: مکتبہ دارالعلوم)، ج۲، ص:۱۷۱.

انتظار کرے گا یا نہیں؟ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: میں نے امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ سے اس مسئلے کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے انتظار کرنے کو مکروہ گردانا ہے، بعض فقہا نے کہا ہے: وہ تسبیحات کو طویل کرے گا، لیکن ان کی تعداد کو زیادہ نہیں کرے گا، علامہ ابو القاسم الصغارؒ کا کہنا ہے: اگر آنے والا مال دار ہے تو انتظار کرنا جائز ہے اور اگر وہ فقیر ہے تو اس کے لیے انتظار کرنا جائز ہے، فقیہ ابو اللیثؒ فرماتے ہیں: اگر امام آنے والے کو جانتا ہے تو مکروہ ہے، ورنہ تو کوئی حرج نہیں ہے، بعض فقہا کہتے ہیں: کہ اگر رکوع کا طویل کرنا صرف آنے والے کے لیے ہے تو مکروہ ہے؛ اس لیے کہ رکوع کا شروع اللہ کے لیے تھا اور رکوع کا آخر قوم کے لیے ہے، گویا اس نے اپنی نماز میں اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک کر لیا، اور یہ ایک سنگین امر ہے؛ لیکن اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اسی بنیاد پر امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت ہے کہ اگر امام تقرب خداوندی کے لیے رکوع کو طویل کرے تو کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ امام فجر کی دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے اس لیے طویل کرتا ہے؛ تاکہ لوگ رکعت کو پالیں۔ (۱)

"البحر الرائق" میں علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"ذخيرة الفتاوى" اور "بدائع الصنائع" میں مذکور ہے: امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: کہ مجھے اس پر ایک امر عظیم یعنی شرک کا اندیشہ ہے؛ لیکن بعض لوگوں کو امام صاحبؒ کے اس کلام سے یہ وہم ہو گیا کہ امام صاحبؒ نے انتظار کرنے والوں کو مباح الدم قرار دیا ہے تو انھوں نے اسی پر فتوی دے دیا، جیسا کہ صاحب "منية المصلي" کو یہ وہم ہوا ہے، انھوں نے کہا: کہ اس پر کفر کا اندیشہ تو ہے لیکن تکفیر نہیں کی جائے گی، حالاں کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں؛ کیوں کہ امام صاحبؒ نے صرف اس عمل پر شرک کے اندیشے سے کا اظہار فرمایا تھا جو ریا کی وجہ سے

(۱) المرغيناني، محمود بن أحمد، الذخيرة البرهانية، (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۵، ص:۳۴۳.

تھا، اسی طرح امام صاحبؒ سے یہ قول بھی منقول ہے کہ طویل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ اور اس سے تعجب خیز وہ قول ہے جو "مجتبیٰ" میں امام بلخیؒ سے منقول ہے کہ ایسے امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اس کی تکفیر کی جائے گی، اس کے بعد دوسرا قول "الجامع الصغیر" کے حوالے سے منقول ہے کہ اس کو اس عمل پر ثواب ملے گا؛ اللہ رب العزت کے فرمان: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص﴾[1] کی وجہ سے، فقیہ ابواللیثؒ نے رکوع کے طویل کرنے کے سلسلے میں آنے والے مصلی سے امام کی شناسائی اور عدم شناسائی کی جو تفصیل بیان کی وہی عمدہ ہے"۔ فقیہ ابواللیثؒ کی ذکر کردہ تفصیل ابوداؤد کی عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کی پہلی رکعت میں کھڑے ہو جاتے تھے اور پیروں کی آواز کو نہیں سنتے تھے[2] اور دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے تھے، تو ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں قرات کرتے تھے اور ہم کبھی آیت کو بھی سن لیتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی رکعت کو طویل کرتے اور دوسری کو مختصر کرتے تھے، اسی طرح صبح کی نماز میں پہلی رکعت کو طویل کرتے ہمارا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا اس لیے کرتے تھے؛ تاکہ لوگ پہلی رکعت کو پالیں۔[3]

پھر مجھے ملا علی قاریؒ کی "مشکاۃ" کی شرح "المرقاۃ" میں ان کا یہ قول ملا وہ فرماتے ہیں:

> "ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر رکوع کا طویل کرنا اس لیے ہو کہ آنے والا رکوع پالے اور تقرب کا ارادہ نہ ہو تو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

---

(۱) سورة المائدة:۲.

(۲) أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب ما جاء في القرائة في الظهر" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۸۰۲.

(۳) أيضاً:، رقم الحديث:۷۹۸.

ایک قول یہ بھی ہے: اگر امام کو آنے والے کی ذات کے بارے میں کچھ علم نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، اور ابوداؤد کی وہ روایت جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں آنے والوں کا انتظار کرتے تھے جب تک کہ وہ جوتوں کی آواز نہیں سن لیتے تھے، تو وہ حدیث ضعیف ہے، اگر اسے صحیح مان لیں تو اس کی تاویل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اقامت صلاۃ میں توقف کرتے تھے، یا کراہت کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جب کہ آنے والے کو جانتا ہو، اور حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت کو طویل کرتے تھے؛ تاکہ لوگوں کو رکعت مل جائے، لیکن صحابی کو یہ وہم ہوا کہ جوتوں کی آواز سننے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی آمد کا انتظار کرتے تھے"۔[1]

جوتے پہن کر ناپاک جگہ پر نماز پڑھنا:

اگر کوئی شخص ناپاک جگہ پر کھڑے ہو کر اس حالت میں نماز پڑھے کہ اس کے پیروں میں جوتے یا موزے ہوں تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ وہ ناپاک جگہ پر کھڑا ہے۔ اگر وہ ناپاک جگہ پر کھڑا ہو، لیکن وہ اپنے جوتوں کو فرش بنالے (جوتے پیروں سے اتار کر ان پر کھڑا ہو جائے) تو اس کی نماز درست ہو جائے گی، اور یہ ایسے ہی ہوگا جیسے اس نے ناپاک جگہ پر پاک کپڑا بچھا لیا ہو اور اس پر نماز پڑھی ہو، تو اس صورت میں نماز ہو جاتی ہے، "الذخيرة" اور "البحر الرائق" میں اسی طرح لکھا ہے۔[2]

"خانية" میں ہے: اگر زمین ناپاک ہو، پھر وہ اپنے جوتے اتار دے اور ان جوتوں

---

(۱) الملا القاري، علي بن سلطان محمد، مرقاة المفاتيح (بيروت: دارالفكر)، ج۳، ص:۸۷۱.

(۲) المصري، ابن نجيم، زين الدين بن ابراهيم، البحر الرائق (بيروت: دارالكتاب العربي)، ج۱، ص:۲۸۲.

پر کھڑے ہوکر نماز پڑھے تو یہ جائز ہے، خواہ جوتے کا اوپر اور نیچے والا حصہ پاک ہو یا صرف اوپر والا حصہ پاک ہو اور نیچے والا حصہ ناپاک ہو؛ اس لیے کہ یہ دوتہ والے کپڑے کے مثل ہے کہ جس کے نیچے کا حصہ ناپاک ہو اور اوپر کا حصہ پاک ہو۔

عبارات فقہا کی روشنی میں "إذا ابتلت النعال فالصلاة فی الرحال" کی تشریح:

"إذا ابتلت النعال فالصلاة في الرحال" یہ ایک صحیح حدیث ہے جس سے بارش والی رات میں نماز باجماعت ادا نہ کرنے کی رخصت مستفاد ہوتی ہے، لیکن بعض حضرات نے اس رخصت کو مطر شدید کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے (اگر بارش بہت زیادہ ہو تو نماز باجماعت کے لیے رخصت ہے) اور اگر بارش کم ہو تو اس کو نماز باجماعت میں رخصت کے لیے عذر نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

امام محمدؒ "المؤطا" میں حدیث نقل کرتے ہیں:

"أخبرنا نافع عن ابن عمر أنه نادى فی الصلاة في السفر في ليلة ذات مطر و برد، ثم قال: ألا صلوا فی الرحال، و قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر المؤذن بذلک إذا كانت ليلة ذات مطر"[1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک سفر میں ایک سرد ہوا والی رات میں اذان دی، پھر کہا: خبردار! اپنی رہائش گاہوں میں نماز پڑھ لو، پھر انھوں نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن کو سرد اور بارش والی رات میں اس کا حکم دیتے تھے۔ امام محمدؒ نے اس حدیث کو "حسن" قرار دیتے ہوئے فرمایا: کہ یہ صرف رخصت ہے، اور جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے۔

---

(۱) أخرجه محمد في الموطأ، "باب الصلاة في الليلة الممطرة" (دمشق: دار القلم)، رقم الحديث: ۱۸۷.

شیخ اسماعیل النابلسیؒ "درر الحکام" کی شرح میں ابن ملقن الشافعیؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مشہور نعال والی حدیث میں نعال نعل کی جمع ہے اور نعال سخت زمین کو کہتے ہیں۔

"منية المصلي" کی شرح "حلبة المجلي" میں امام ابو یوسفؒ سے یہ بات منقول ہے کہ انھوں نے امام ابو حنیفہؒ سے کیچڑ میں نماز با جماعت کے تعلق سے استفسار کیا، تو امام صاحبؒ نے کہا: میں ترک جماعت کو (اس حالت) میں ناپسند کرتا ہوں۔

امام محمدؒ نے "المؤطا" میں حدیث "إذا ابتلت النعال فالصلاة في الرحال" کے متعلق لکھا ہے کہ یہ رخصت پر مبنی ہے، اور نعال سے مراد یہاں سخت زمین ہے۔

بارش اور سخت ٹھنڈ میں ترک جماعت کی رخصت:

"القنیہ" میں صدر حسامؒ سے نقل کیا گیا ہے: اگر بارش یا سخت ٹھنڈ یا سخت تاریکی یا کوئی خوف ہو یا نظر بندی کا اندیشہ ہو تو ان سب صورتوں میں ترک جماعت کی رخصت ہے۔

صاحب "القنیہ" علامہ نجم الدین مختار الغزمینیؒ "مختصر القدوري" کی شرح میں علامہ تمرتاشیؒ سے نقل کرتے ہیں:

> "فقہا کا بارش، برف باری، کیچڑ، اور سخت ٹھنڈ کو عذر ماننے میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر تکلیف زیادہ ہو تو مذکورہ چیزیں عذر بن سکتی ہیں، حسن بن زیادؒ فرماتے ہیں: اس روایت سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ مذکورہ چیزیں جمعہ اور جماعت کی رخصت میں برابر ہیں، اور بعض فقہا کے نزدیک مذکورہ چیزیں جماعت کے لیے تو عذر ہیں؛ اس لیے کہ وہ سنت ہے، البتہ جمعہ کے لیے عذر نہیں ہیں؛ کیوں کہ وہ فرض ہے"۔ (۱)

---

(۱) الغزميني، أبو الرجاء، نجم الدين مختار بن محمود، المجتبى شرح مختصر القدورى (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۱، ص:۳۷۳.

علامہ زیلعیؒ کی ''الکنز'' کی شرح میں امام ابو یوسفؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے کیچڑ میں نماز با جماعت کے تعلق سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس حالت میں ترک جماعت کو ناپسند کرتا ہوں، لیکن صحیح یہی ہے کہ بارش، کیچڑ، سخت ٹھنڈ اور سخت تاریکی میں جماعت کے لزوم کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔[۱] بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے ہلکی سی بارش بھی عذر بن سکتی ہے، جیسا کہ سنن ابوداؤد میں عمیر بن عامر الہذلی سے روایت ہے:

''شهد النبي زمن الحديبية في يوم جمعة، و أصابهم مطر لم يبتل أسفل نعالهم، فأمرهم أن يصلوا في رحالهم''[۲]

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے زمانے میں دیکھا کہ جمعہ کے دن بارش ہوئی، اور صحابہ کے جوتوں کے نیچے کا حصہ بھی گیلا نہیں ہوا تھا، تو آپ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی رہائش گاہوں میں نماز ادا کریں، راوی کا نعال کے نیچے کے حصے کے تر نہ ہونے سے قلت بارش سے کنایہ کرنا مقصود ہے، اور دوران سفر بارش کا آنا خواہ وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو اس میں مشقت تو بہر صورت ہے۔

☆☆☆

(۱) الزيلعي، فخر الدين عثمان بن علي، تبيين الحقائق (القاهرة: المطبعة الكبرى الأميرية)، ج۱، ص:۱۲۳.

(۲) أخرجه أبو داؤد في سننه، ''باب الجمعة في اليوم المطير'' (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۱۰۵۹.

چوتھی فصل

حج وعمرہ میں نعال کے مسائل واحکام

محرم کے لیے چپل پہننے کا حکم:

محرم کے لیے نعلین اور ہر اس چیز کا پہننا جائز ہے جو اس ہڈی کو نہ چھپائے جو پیر کے بیچ میں تسمہ باندھے جانے کی جگہ ہوتی ہے، پس اگر اس کے پاس چپل نہ ہو تو وہ ٹخنے کے نیچے تک خفین کاٹ کر پہن لے۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحاح ستہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''سأل رجل يا رسول الله! ما يلبس المحرم؟ فقال: لا يلبس القميص و لا السراويل و لا العمائم و لا البرنس و لا الخفاف، فإن لم يجد النعلين فليلبس الخفين، و ليقطعهما حتى يكونا تحت الكعبين''[1]

---

(۱)أخرجه البخاري في صحيحه، ''كتاب بدء الوحي'' (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث:۱۳۴.

أخرجه المسلم في صحيحه، ''باب ما يباح للمحرم بحج أو عمرة وما لا يباح وبيان تحريم الطيب عليه'' (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث:۲۸۴۸.

أخرجه النسائي في سننه، ''باب النهي عن لبس القميص للمحرم'' (حلب: مكتب المطبوعات الإسلاميه)،رقم الحديث:۲۶۲۹.

أخرجه ابن ماجه في سننه، ''باب ما يلبس المحرم من الثياب'' (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۲۹۲۹.

ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! محرم کیا پہن سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا: وہ نہ تو قمیص پہن سکتا ہے، نہ عمامہ، نہ پائجامہ، نہ جبہ اور نہ ہی ایسا کپڑا جس پر ورس (ایک خوشبودار پودا) یا زعفران لگا ہوا ہو، پس اگر اسے جوتے میسر نہ ہوں تو خفین پہن لے اور ان کو کاٹ دے یہاں تک کہ وہ ٹخنے سے نیچے ہو جائے۔ امام بیہقیؒ کی روایت کے مطابق سائل نے یہ سوال اس وقت کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے۔ (۱)

امام بخاریؒ اور ابوداؤدؒ نے کتاب الحج میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت نقل کی ہے مگر اس روایت میں انھوں نے اس واقعے کے تعلق سے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میدان عرفات میں خطاب فرما رہے تھے اور اس روایت میں قطع خفین کا بھی ذکر نہیں ہے، حنابلہ نے اسی روایت کو لیا ہے۔ (۲)

علامہ بدرالدین عینیؒ ہدایہ کی شرح ''البنایة'' میں مذکورہ دونوں حدیثوں پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ابن عمرؓ کی حدیث پر عمل کرنا ابن عباسؓ کی حدیث پر عمل کرنے سے زیادہ بہتر ہے؛ اس لیے کہ ابن عباسؓ والی روایت میں خفین پہننے کا طریقہ مذکور نہیں ہے اور جنھوں نے اضافہ کیا ہے انھوں نے اس جزء کو بھی محفوظ رکھا ہے جس کو اختصار کرنے والوں نے محفوظ نہیں رکھا ہے۔ تعجب ہے ان مخالفین پر جو اس مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں، جب کہ

---

(۱) أخرجه البيهقي في معرفة السنن والآثار، "باب ما يلبس المحرم من الثياب" (دمشق: دار قتيبه)، رقم الحديث: ۲۹۳۳.

(۲) أخرجه البخاري في صحيحه، "باب السراويل" (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث: ۵۸۰۵. أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب ما يلبس المحرم" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۱۸۲۳.

واقعہ ایک ہی ہے اور اس موقع پر وہ اس کے منکر ہیں''۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

اگر کسی کے ذہن میں یہ اعتراض وارد ہو کہ حنابلہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کو حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے منسوخ کرتے ہیں؛ اس لیے کہ حدیث ابن عباسؓ میں مذکور واقعہ عرفات کا ہے اور حدیث ابن عمرؓ میں بیان کردہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے، جیسا کہ دارقطنی نے ذکر کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعتراض اصول سے جہالت کی بناء پر پیدا ہوا ہے؛ اس لیے کہ محدثین کے یہاں مطلق اور مقید حدیث ایک دوسرے کے لیے ناسخ نہیں بن سکتی ہیں باوجود یہ کہ حدیث ابن عباسؓ کو ابو ایوبؒ، ثوریؒ، ابن عیینہؒ، حماد بن زیدؒ، ابن جریجؒ، ہشامؒ اور شعبہؒ نے روایت کیا ہے اور یہ تمام حضرات عمرو بن دینارؒ کی حدیث جابر بن زید کے واسطے سے نقل کرتے ہیں، اور شعبہؒ کے علاوہ ان میں سے کسی نے عرفات کا ذکر نہیں کیا اور ثقہ راویوں میں سے کسی ایک کا منفرد ہو جانا اس روایت کو ضعیف بنا دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث ابن عمرؓ میں خفین کو کاٹنے کا ذکر ہے، اور عطاؒ نے خفین کے کاٹنے کو افساد و اتلاف گردانا ہے، جو قرآن پاک میں ممنوع قرار دیا گیا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے؟

مذکورہ اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ چیز صاحب شرع سے ثابت ہے''۔[1]

''البحر الرائق'' میں ہے:

''میں نے کسی کو یہ صراحت کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس نعلین موجود ہو تو اسے خفین کو کاٹنے کی اجازت ہے، فقہا کے کلام اور حدیث سے یہی ظاہر

---

(۱) العيني، محمود بن أحمد بن موسى، البناية شرح الهداية (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۴، ص:۱۸۱.

ہوتا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں بلاضرورت اپنے مال کو ضائع کرنا ہے''۔[۱]

علامہ عینیؒ نے ہدایہ کی شرح میں اس کے جواز کی صراحت کی ہے، چناں چہ لکھتے ہیں: اگر جوتے چپل موجود ہوں پھر بھی کٹے ہوئے خفین پہن لے تو ہمارے نزدیک اس پر کوئی فدیہ لازم نہیں ہوگا، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک فدیہ واجب ہوگا اور امام شافعیؒ سے اس سلسلے میں دونوں قول منقول ہیں۔[۲]

اور صاحب ''البحر الرائق'' کا یہ کہنا کہ جوتے چپل کے موجود ہونے کی حالت میں کٹے ہوئے خفین پہننا ظاہر حدیث کے مطابق درست نہیں ہے، تو ان کا یہ قول فقہاء احناف کے قواعد کے مطابق درست نہیں ہے، اس لیے کہ شرط کا نہ پایا جانا مشروط کی نفی کا تقاضا نہیں کرتا ہے، (یعنی اگر کسی حکم کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کیا جائے تو شرط کے نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حکم یا عمل سرے سے باطل ہے) علم اصول فقہ میں اس مسئلے کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک: ﴿فإن لم يجد النعلين الخ﴾ یہ نعلین پر قادر ہونے کے وقت خفین کے پہننے کے عدم جواز کا تقاضا نہیں کرتا ہے الا یہ کہ کوئی دوسری دلیل ہو اور ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، رہا ان کا یہ کہنا کہ بغیر ضرورت کے خفین کو کاٹنے کی صورت میں مال کو خراب کرنا لازم آتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے، تو ان کا یہ قول درست نہیں ہے اور اس قول کی کمزوری صاحب بصیرت والے پر واضح ہے۔

''فتح القدير'' میں ہے:

''مشائخ نے کہا ہے کہ محرم کے لیے مکعب (کٹے ہوئے موزے) پہننا جائز ہے؛ اس

---

(۱) المصري، ابن نجيم، زين الدين بن إبراهيم، البحر الرائق (بيروت: دار الكتاب العربي)، ج۲، ص:۳۶۹.

(۲) البابرتي، أكمل الدين، محمد بن محمد بن محمود، العناية شرح الهداية (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۴، ص:۱۸۲.

لیے کہ کاٹنے کے بعد موزہ کا جو حصہ باقی رہتا ہے وہ بھی مکعب ہی رہتا ہے، لیکن محرم کے لیے جو رہین پہننا جائز نہیں ہے؛ تاہم انھوں نے مطلق مکعب کے پہننے کے جواز کا ذکر کیا ہے، جب کہ مذکورہ نص کے مطابق جواز اس وقت ہے جب نعلین موجود نہ ہوں''۔ (۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نعلین کی موجودگی میں کٹے ہوئے موزے کا پہننا خلاف اولی ہے، ناجائز نہیں ہے اور یہ اسی طرح ہے کہ جیسے ہمارے مشائخ نے مسواک کی بحث میں کہا ہے کہ اگر مسواک کے ہوتے ہوئے انگلی سے مسواک کر لی تو جائز ہے، البتہ خلاف اولی ہے۔ لیکن اگر باریک بینی سے دیکھا جائے تو حدیث صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ نعلین کی موجودگی میں کٹے ہوئے موزے پہننا ناجائز ہے تو اسی پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں اپنے قول کے ذریعے مطلقاً خفین پہننے سے منع فرمایا ہے پھر اس سے نعلین کی عدم موجودگی والی صورت کو مستثنی فرمایا اور یہ استثناء مفرغ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ محرم کسی بھی حال میں موزہ نہیں پہنے گا، الا یہ کہ نعلین موجود نہ ہو، لہٰذا حدیث پاک سے صرف ایک صورت میں کٹے ہوئے موزے کے پہننے کا جواز ثابت ہوگا، اور استثناء کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں نعلین کی موجودگی میں خفین کا پہننا قطعاً ممنوع ہوگا۔

جوتے پہن کر طواف کرنا:

جوتے چپل پہن کر طواف کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ پاک ہو؛ اس لیے کہ جب جوتے پہن کر مسجد میں آنا اور نماز پڑھنا جائز ہے تو طواف جو نماز سے کم درجے کی چیز ہے، بدرجہ اولی جائز ہوگا۔

حافظ ابن عساکرؒ نے ایک طویل سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے:

---

(۱) ابن الهمام، كمال الدين محمد بن عبدالواحد، فتح القدير (بيروت: دار الفكر)، ج ۲، ص: ۴۴۱.

”عن عبدالله بن عامر بن ربيعة عن أبيه قال: كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الطواف، فانقطع شسع نعله،فقلت: يارسول الله! ناولنى أصلحه، فقال: هذه أثرة، ولا أحب الأثرة“

عامر بن ربیعہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں،ان کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف کر رہا تھا اسی اثنا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا،تو میں نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے دیجیے تا کہ میں اس کو درست کر دوں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: یہ خودغرضی ہے اور میں خودغرضی کو ناپسند کرتا ہوں۔

علامہ المقریؒ نے ”فتح المتعال“ میں لکھا ہے:

”الشسع: ”شین“ کے کسرے کے ساتھ جوتے کے تسمہ کے معنی میں ہے اور ایک قول کے مطابق دونوں مکسور ضبط کیے گئے ہیں: ”شسع النعل شسعا وأشعسها وشسعها جعل لها شسعا، و جمعه شسوع“[1] اس نے تنی بنائی اور اس کی جمع شسوع آتی ہے۔

اور لفظ ”الأثرة“ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ”آثر، يوثر“ سے اسم ہے،اور اس کے معنی خودغرضی کے آتے ہیں،تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند کیا کہ کوئی شخص آپ کے جوتے کی درستگی میں لگے،آپ نے اس کو تواضع اور خود کو اپنے ساتھی سے بڑا نہ سمجھنے کی وجہ سے ناپسند کیا“۔[2]

مسند احمد ابن حنبل میں عبداللہ بن عمروؓ کی مسانید کے باب میں حارث بن نوفل سے یہ

---

(۱)الفيروزآبادي، أبو طاهر، محمد بن يعقوب، القاموس المحيط (بيروت: مؤسسة الرسالة)،ص:۷۳۳.

(۲)التلمساني، المالكي، أبوالعباس أحمد بن محمد، فتح المتعال في مدح خير النعال (القاهرة: دارالقاضى عياض)،ص:۷۸.

حدیث روایت ہے:

"خرجت أنا و تليد بن كلاب الليثي حتى أتينا عبدالله بن عمرو بن العاص، وهو يطوف بالبيت معلقا نعليه بيده، فقلنا: هل حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم حين تكلمه التميمي يوم حنين؟ فقال: نعم"[1]

میں اور تلید ابن کلاب اللیثی عبداللہ ابن عمرو ابن عاصؓ کے پاس آئے، جب کہ وہ اپنے ہاتھ میں جوتا اٹھائے ہوئے بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، تو ہم نے ان سے کہا: کیا آپ جنگ حنین کے موقع پر اس وقت موجود تھے جب تمیمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محو کلام تھا، تو انھوں نے جواب دیا: جی ہاں۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ "**الإصابة في أحوال الصحابة**" میں لکھتے ہیں:[2]

"علامہ طبرانیؒ نے بھی "**المعجم الكبير**" میں اس کو روایت کیا ہے، اور اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ مقسم نے یہ حدیث عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے براہ راست حاصل کی ہے، اور سیاق وسباق میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ہے جس سے تلید کی صحابیت ثابت ہو اور نہ ہی اس باب میں ان کی کوئی روایت موجود ہے، اور جس نے تلید کو صحابہ میں شمار کیا ہے تو اس نے واضح غلطی کی ہے"۔

کتاب الحج میں نعل کی مراد فقہا کی زبانی:

کتاب الحج کی بحث "**تقليد الهدى**" میں لفظ نعل سے یہ مراد ہے کہ جانوروں کی گردن میں جوتے کے ٹکڑے یا کسی دوسری چیز کو لٹکایا جائے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے

---

(۱) أخرجه الإمام أحمد في مسنده (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث: ۷۰۳۸.

(۲) "**الإصابة في أحوال الصحابة**" کے نام سے کوئی کتاب نہیں ملی ہے، علامہ ابن حجر کی یہ کتاب "**الإصابة في تميز الصحابة**" کے نام سے ہے۔

جس کو امام مسلمؒ نے حضرت قیاس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم عشر بدنة مع رجل، و أمره فيها، فقال: يا رسول الله! كيف أصنع بما أبدع على منها، قال: انحرها، ثم اصبغ نعليها في دمها، واجعلها على صفحتها، ولا تأكل منها أنت، و لا أحد من أهل رفقتك''(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ساتھ دس اونٹ قربانی کے لیے روانہ فرمائے اور اس کو ان کے بارے میں کچھ حکم فرمایا، اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جو اونٹ راستے میں تھک جائے ان کا کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے ذبح کر دینا، پھر اس کے خون میں اس کے جوتے کو رنگنا اور اس کی پیشانی پر لگا دینا، اور اس کے گوشت میں سے نہ تم خود کھانا اور نہ ہی تمہارے قافلے کے لوگ کھائیں۔

ملا علی القاریؒ ''مرقاۃ'' میں لکھتے ہیں: ''أبدعت الراحلة'' اس وقت بولا جاتا ہے جب سواری تھک جائے، اور ''أبدع بالرجل'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کی سواری تھکن یا کمزوری کی وجہ سے رک جائے۔ اور ''أبدع'' کے لفظ میں رکنے کا مفہوم بھی شامل ہے۔(۲)

امام مالکؒ، امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ ناجیہ خزاعیؓ سے، امام ابوداؤد اور امام دارمیؒ حضرت ناجیہ الأسلمیؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اس قربانی کے جانور کے بارے میں کیا کروں جو تھک جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے ذبح کرو پھر اس کے خون میں اس کی جوتی کو ڈبو دو اور لوگوں کے لیے اسے

---

(۱) أخرجه المسلم في صحيحه، ''باب ما يفعل بالهدي إذا عطب في الطريق'' (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ۳۲۸۰.

(۲) الملا القاري، علي بن سلطان محمد، مرقاة المفاتيح (بيروت: دار الفكر)، ج۵، ص: ۱۸۲.

چھوڑ دو؛ تا کہ وہ اسے کھالیں۔[۱]

شیخ عبدالحق دہلویؒ "مشکاۃ" کی شرح میں لکھتے ہیں:

"مذکورہ حدیث میں راوی ناجیہؓ کی ذات میں اختلاف نہیں ہے؛ بل کہ ان کی نسبت میں اختلاف ہے اور ہمیں کتب حدیث میں صرف ایک ہی ناجیہؓ نامی صحابی کا تذکرہ ملا ہے اور وہ ناجیۃ بن جندب بن عمیر الأسلمیؓ ہیں، جن کا نام ذکوان تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ناجیہ رکھ دیا؛ کیوں کہ ان کو کفار سے نجات ملی تھی"۔[۲]

یہ وہم کرنا کہ ناجیہؓ نام کے صرف ایک ہی صحابی ہیں یہ درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "تقريب التهذيب" میں ناجیہ نام کے دو صحابی کا تذکرہ کیا ہے،

"ناجية بن جندب بن عمير بن يعمر الأسلمي صحابي، و ناجية بن جندب بن كعب، و قيل؛ ابن كعب بن جندب الخزاعي صحابي أيضا، تفرد بالرواية عنه عروة بن الزبير، و وهم من خالطها"[۳]

---

(۱)أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب في الهدى إذا عطا قبل أن يبلغ" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۱۷۶۲.

أخرجه الترمذي في سننه، "باب ما جاء اذا عطب الهدي ما يصنع به" (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث:۹۱۰.

أخرجه ابن ماجه في سننه، "باب في الهدي إذا عطب" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۳۱۰۶.

أخرجه ابن مالک في الموطا، "باب العمل في الهدي إذا عطب أو ضل" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۱۴۱۴.

(۲)الدهلوي، عبد الحق، أشعة اللمعات (لاهور، فريد بک)، ج۳،ص:۴۵۶.

(۳)العسقلاني، ابن حجر، أبوالفضل أحمد بن علي، تقريب التهذيب (سوريا: دارالرشيد)،ص:۵۵۷.

اس سے معلوم ہوا کہ ناجیہ اسلمیؓ اور ناجیہ الخزاعیؓ دونوں صحابی ہیں، البتہ اصحاب حدیث نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ مذکورہ واقعہ ناجیہ اسلمی کے ساتھ پیش آیا تھا۔

علامہ ذہبیؒ "تهذيب التهذيب" میں لکھتے ہیں:

"ناجية الأسلمي صاحب بدن رسول الله صلى الله عليه وسلم، روي عنه عروة و غيره" حضرت ناجیہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے جانوروں کے ذمہ دار تھے، عروہ وغیرہ نے ان سے روایت لی ہے۔

علامہ نوویؒ کی "تهذيب الأسماء واللغات" میں ہے:

"ناجية بن جندب بن كعب، وقيل: ناجية بن كعب بن ذكوان، فغيره رسول الله صلى الله عليه وسلم بناجية إذ نجى من قريش"[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام ناجیہ رکھا؛ کیوں کہ ان کو قریش سے نجات ملی تھی۔ مسند احمد ابن حنبل میں ناجیۃ بن حارث الخزاعی المصطلقیؓ کو "صاحب البدن" قرار دیا گیا ہے، لیکن پہلا قول مشہور ہے۔[2]

☆☆☆

(۱) النووي، يحي بن شرف، تهذيب الأسماء واللغات (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۲، ص:۴۲۲.

(۲) أخرجه الحاكم في المستدرک، كتاب الحدود (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث:۸۱۳۲.

پانچویں فصل

جہاد کا بیان

صاحب ہدایہؒ نے مال غنیمت کے طریقہ تقسیم کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ گھوڑ سوار کے لیے دو حصے ہیں اور پیدل چلنے والے کو ایک حصہ ملے گا اور صاحبین کے نزدیک گھوڑ سوار کو تین حصے ملیں گے۔ (۱)

مولانا الہ داد جون پوریؒ نے ہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے: مذکورہ عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جوتا پہنا ہوا شخص اور پیدل چلنے والا دونوں مال غنیمت کے حاصل کرنے میں برابر ہیں؛ اس لیے کہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ گھوڑے کی وجہ سے بھی کچھ نہ ملے؛ کیوں کہ گھوڑا بھی دیگر آلات جہاد کی طرح ایک آلۂ جہاد ہے اور جب دیگر آلات کی وجہ سے کوئی شخص مال غنیمت میں کسی اضافی حصہ کا استحقاق نہیں رکھتا ہے تو گھوڑے کی وجہ سے فارس کو بھی مزید ایک حصہ نہیں ملنا چاہیے، لیکن چوں کہ گھوڑ سوار کے سلسلے میں نص موجود ہے اور دیگر آلات جہاد کے سلسلے میں نص ساکت ہے تو ہم نے گھوڑ سوار کو ایک حصہ زائد دیا ہے۔ اور وہ حدیث شریف جس میں ''المتنعل راکب'' وارد ہوا ہے کہ جوتا پہنا ہوا شخص سوار کی طرح ہے تو اس کا تعلق احکام سے نہیں ہے۔

☆☆☆

---

(۱) المرغيناني، برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر، الهداية (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، ج۲، ص: ۳۸۸.

چھٹی فصل
قسم کا بیان

''لا يضع قدمه في دار فلان'' کی قسم کھانا:

اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ فلاں کے گھر میں اپنا قدم نہیں رکھے گا پھر وہ جوتا پہن کر گھر میں داخل ہو جائے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حانث نہ ہو؛ کیوں کہ قدم کا رکھنا نہیں پایا گیا، لیکن فقہا نے کہا ہے کہ استحسانا وہ حانث ہو جائے گا۔ اور وہ حدیث شریف جس میں ''المتنعل راكب'' وارد ہوا ہے کہ جوتا پہنا ہوا شخص سوار کی طرح ہے تو اس کا تعلق احکام سے نہیں ہے۔

حقیقت اور مجاز کا جمع کرنا:

اس پر یہ اعتراض وارد ہوا ہے کہ اس صورت میں تو حقیقت اور مجاز کا جمع کرنا لازم آئے گا کیوں کہ مذکورہ قول کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ننگے پیر اپنا قدم رکھے اور مجاز یہ ہے کہ وہ جوتا پہن کر قدم رکھے، اور وہ دونوں صورتوں میں حانث ہوگا؛ لہذا ایسی صورت میں حقیقت اور مجاز کا جمع کرنا لازم آئیگا جو اصولی طور پر درست نہیں ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وضع قدم یہ عموم مجاز کے طور پر دخول دار سے مجاز ہے نہ کہ جمع کے طور پر، (گویا اس نے دخول دار کی قسم کھائی ہے اور دخول دونوں صورتوں میں پایا جا رہا ہے لہذا دونوں صورتوں میں حانث ہوگا) اصول بزدوی اور حسامی میں یہی جواب مذکور ہے۔[1]

---

(۱) البزدوي، فخر الاسلام علي بن محمد، أصول البزدوي (باكستان: كراتشي، مطبعة جاويد)، ص: ۷۷.

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اصولیین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک حقیقت مستعملہ کو مجاز پر ترجیح دی جاتی ہے اور وضع قدم کے حقیقی معنی بھی مستعمل ہے، مہجور نہیں ہے پھر کس ضرورت کی بناء پر اس کلام کو مجازی معنی پر محمول کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً امام صاحبؒ کے نزدیک حقیقت ہی راجح ہوتی ہے، لیکن فقہا نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ أیمان میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے اور عرف میں وضع قدم بول کر دخول دار مراد لیا جاتا ہے تو اس بنیاد پر وضع قدم سے دخول دار کا معنی مراد لیا گیا ہے، اور اسی پر تفریع کرتے ہوئے قاضی خانؒ نے اپنے فتاوی میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی کلام مذکور کے ساتھ قسم کھائے پھر وہ صرف اپنا ایک پیر گھر میں رکھے یا دونوں پیر رکھے، لیکن اس کا جسم گھر سے باہر ہو تو وہ حانث نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ حقیقت کلام متروک ہے، گویا اس نے کہا ہے کہ وہ فلاں کے گھر میں داخل ہوگا، پس محض قدم رکھنے سے وہ حانث نہیں ہوگا۔

''لا يلبس هذا النعل'' کے ذریعے قسم کھانا:

''فتاوی بزازیہ'' میں ہے:

''اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ اس جوتے کو نہیں پہنے گا پھر وہ اس جوتے کے تسمے کو کاٹ کر دوسرے تسمے کو جوتے کے ساتھ جوڑ دے، پھر اس جوتے کو پہن لے تو وہ حانث ہو جائے گا۔ اس کی وجہ وہ ہے جس کی اصولیین نے صراحت کی ہے کہ جب اشارہ ذات کی طرف ہوتا ہے تو وصف مراد نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ اگر کوئی قسم کھالے کہ وہ اس بچے سے بات نہیں کرے گا تو قسم بچپن کے زمانے کے ساتھ مقید نہیں

ہوتی، پس ایسے ہی اگر اس نے جوتے کے نہ پہننے کی قسم کھائی ہے تو اس کا مطلب نفس نعل کے پہننے سے رکنا ہے خواہ وہ اس تسمے کے ساتھ ہو یا دوسرے تسمے کے ساتھ ہو"۔

طلاق کو نعل پر معلق کرنا:

اگر کسی شخص نے اپنی بچی کے لیے جوتا خریدا، اور وہ گم ہو گیا، پھر اس نے جوتے کو کسی بچے کے پیر میں دیکھا، تو اس نے کہا یہ تو میری بیٹی کا جوتا ہے، اس بچے کے والد نے انکار کر دیا، پھر دونوں نے طلاق کے ساتھ قسم کھائی کہ جوتا اس کے بچے کا ہے اور پھر دونوں تحقیق حال کے بغیر چلے گئے، تو کسی کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، ہمارے علما نے اس جیسی فروعات کی صراحت کی ہے اور فقیہ خیر الدین رملی کے فتاوی میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔[1]

☆☆☆

(۱) الرملي، خير الدين بن أحمد، الفتاوى الخيرية لنفع البرية (مصر: دار أنوار الأزهر)، ج۱، ص: ۴۸۷.

ساتویں فصل
حدود کا بیان

شرابی کو جوتے سے مارنا:

یہ بات واضح ہے کہ احادیث شریفہ میں شرابی اور دیگر جرائم میں مبتلا افراد کے جرائم کی روک تھام کے لیے حدود بیان کیے گئے ہیں، اور اجرائے حد میں نعال سے ضرب کاری کا ذکر بھی موجود ہے، عہد نبوی میں شرابیوں کو جوتے، لاٹھی اور ہاتھ وغیرہ سے مارنے کا تذکرہ ملتا ہے، لیکن حد شرب خمر میں جوتے کے عدم استعمال پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع ہوگیا ہے، اور شرابی کے لیے چالیس کوڑے طے کیے گئے ہیں۔

حاکمؒ نے ''المستدرک'' میں ایک طویل روایت نقل کی ہے: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شرابی کی ہاتھ، جوتے اور ڈنڈے سے ضرب کاری کی جاتی تھی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے، پھر حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی، تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا: کیوں نہ ہم ان کے لیے کوئی حد مقرر کرلیں، تو انھوں نے اس سزا کا تعین کیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دی جاتی تھی، پس حضرت ابوبکرؓ انھیں چالیس کوڑے مارتے رہے، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا، ان کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی انھیں چالیس کوڑے مارے، یہاں تک کہ ایک دن ایک مہاجر لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی تو حضرت عمرؓ نے اس کو کوڑے مارے جانے کا حکم دیا، تو اس نے کہا: آپ مجھے کوڑے کیوں مار رہے ہو؟ جب کہ میرے اور آپ کے درمیان کتاب اللہ موجود ہے، اللہ

رب العزت قرآن کریم میں فرماتا ہے: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا﴾[1] جولوگ ایمان لائے اور پھر نیک عمل کرے تو ان پر اس کا کوئی گناہ نہیں جو وہ کھائیں، میں ایمان والا ہوں اور میں نے نیک عمل بھی کیے ہیں، پھر تقوی اختیار کیا، پھر ایمان لایا، پھر تقوی اختیار کیا اور اچھے عمل کیے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ بدر، حدیبیہ اور خندق میں شرکت کی، تو حضرت عمرؓ نے کہا: کیا تم لوگ اس کے جواب میں کچھ نہیں کہو گے جو یہ کہہ رہا ہے، تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا: یہ آیت پہلے لوگوں کے لیے عذر تھی اور بعد والوں کے لیے حجت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری کیا رائے ہے؟ تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہماری رائے ہے کہ جب کوئی شخص شراب پیتا ہے تو نشہ میں چور ہو جاتا ہے، اور جب نشہ میں ہوتا ہے تو بے ہودہ باتیں کرتا ہے، اور جب بے ہودہ باتیں کرتا ہے تو جھوٹ گھڑتا ہے، اور جھوٹ گھڑنے والے پر اسی کوڑوں کی سزا ہے، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا اور اسے اسی کوڑے مارے گئے۔[2]

عبدالرزاق نے عمرو ابن دینار سے مرفوعا روایت کی ہے:

”من شرب الخمر فحدوه ،فإن شرب الثانية فحدوه،فإن شرب الثالثة فحدوه ،فإن شرب الرابعة فاقتلوه ،قال:فأتي بابن النعمان قد شرب ، فضرب بالنعال والأيدي ،ثم أتي به الثانية فكذلك،ثم أتي به الثالثة فكذلك،ثم أتي به الرابعة فحد و وضع القتل“[3]

---

(۱) سورۃ المائدۃ:۹۳.

(۲) أخرجه الحاكم في المستدرک، كتاب الحدود (بيروت: دارالكتب العلمية)، رقم الحديث:۸۱۳۲.

(۳) أخرجه عبد الرزاق في مصنفه، ”باب من حد من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم“ (بيروت: المكتب الاسلامي)، رقم الحديث:۱۷۰۸۵.

جوشخص شراب پیے تو اس پر حد جاری کرو، اگر دوبارہ پیے تو پھر حد جاری کرو، اگر تیسری مرتبہ پیے تو پھر حد جاری کرو، اور اگر چوتھی مرتبہ پیے تو اس کو قتل کر دو، پھر ابن نعمان کو لایا گیا جو شراب پیے ہوئے تھے تو ان کو جوتے اور چپل سے مارا گیا، پھر جب انھوں نے دوسری مرتبہ شراب پی تو بھی جوتے سے مارا گیا، پھر تیسری مرتبہ پی تو بھی جوتے سے مارا گیا، پھر جب چوتھی مرتبہ پی تو ان پر حد جاری کی گئی اور ان کو قتل کر دیا گیا۔

شراب نوشی کی حد:

"فتح القدیر" میں ہے:

"شراب اور نشہ آور اشیا کی حد اسی کوڑے ہیں، یہ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے، امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ حد چالیس کوڑے ہیں، لیکن اگر امام مصلحت دیکھے تو اسی کوڑے مار سکتا ہے، امام احمدؒ سے بھی یہ ایک روایت نقل کی گئی ہے، اور صحیح قول کے مطابق امام کو اختیار ہے، مصنفؒ نے حد شراب میں اسی کوڑوں پر اجماع صحابہؓ کو دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے۔

امام بخاریؒ نے حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت کی ہے:

"كنا نأتي بالشارب على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، و أبي بكر و صدر من عهد عمر، فنقوم إليه بأيدينا و نعالنا، و أرديتنا، حتى كان آخر امرة عمر، فجلد ثمانين"[1]

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے زمانے اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور میں شراب پینے والے کو لاتے اور اپنے ہاتھوں، جوتوں اور کپڑوں سے سزا دیتے تھے،

---

(۱) أخرجه البخاري في صحيحه، "باب الضرب بالجريد و النعال" (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث: ٦٧٧٩.

یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے آخری دور میں چالیس کوڑے مارے گئے۔

امام مسلمؒ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

"عن أنس بن مالک أن النبي صلى الله عليه وسلم جلد في الخمر بالجريد و النعال، ثم جلد أبوبكر أربعين، فلما كان عمر قال: ما ترون في جلد الخمر، فقال عبد الرحمن بن عوف: أرى أن نجعله ثمانين، فجعله عمر ثمانين"[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شراب پینے والے کو کھجور کی شاخوں اور جوتوں سے مارتے تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ نے چالیس کوڑے مارے جب حضرت عمرؓ کا دور آیا تو انھوں نے کہا: شراب کی سزا کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا: میری رائے ہے کہ اسے اسی کوڑے بنا دیا جائے، پس حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

موطا امام مالکؒ میں ہے:

"أن عمر استشار في الخمر، فقال له علي رضي الله عنه: نرى أن نجلده ثمانين، فإنه إذا شرب سكر، و إذا سكر هذى، و إذا هذى افترى، و على المفترى ثمانون"[2]

حضرت عمرؓ نے شراب کے بارے میں مشورہ کیا کہ جو آدمی شراب پیتا ہے، اس پر کیا حد لگائی جائے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہماری رائے یہ ہے کہ اسے اسی کوڑے مارے جائیں؛ کیوں کہ جب وہ شراب پیتا ہے تو نشہ کرتا ہے، جب نشہ کرتا ہے تو بہک جاتا

---

(۱) أخرجه المسلم في صحيحه، "باب حد الخمر" (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ۴۵۵۱.

(۲) أخرجه ابن مالک في الموطا، "باب الحد في الخمر" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۳۱۱۷.

ہے، اور جب بہکتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، اور جھوٹ بولنے والے کی سزا اسی کوڑے ہیں۔اس میں کوئی تعارض نہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ دونوں نے یہ مشورہ دیا ہو۔

حاکمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے:

''إن الشراب كانوا يضربون على عهد رسول الله صلى الله عليه و سلم بالأيدى و النعال و العصا، حتى توفى رسول الله صلى الله عليه و سلم، فكان أبو بكر رضي الله عنه يجلدهم أربعين حتى توفى إلى أن قال عمر: ماذا ترون؟ فقال علي رضي الله عنه: إذا شرب.....الخ''[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شراب پینے والوں کو ہاتھوں، جوتوں اور چھڑیوں سے مارا جاتا تھا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے پھر حضرت ابوبکرؓ نے چالیس کوڑے مارے یہاں تک کہ وہ بھی وفات پا گئے، پھر حضرت عمرؓ نے مشورہ کیا، تو حضرت علیؓ نے کہا: جب کوئی شراب پیتا ہے۔''إلى آخر الحديث''

شراب نوشی کی حد پر اجماع:

امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے:

''أتى برجل شرب الخمر عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فضربه بجريدتين نحو الأربعين، و فعله أبوبكر، وعمر استشار الناس، فقال ابن عوف: أخف الحدود ثمانون''[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے شراب پی تھی، تو آپ

---

(۱)أخرجه الحاكم في المستدرک، كتاب الحدود (بيروت: دارالكتب العلمية)، رقم الحديث:۸۱۳۲.

(۲)أخرجه المسلم في صحيحه، "باب حد الخمر" (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث:۴۵۴۹.

صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھجور کی دوشاخوں سے مارا، جو تقریباً چالیس کوڑے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے بھی ایسا ہی کیا جب حضرت عمرؓ کا دور آیا تو انھوں نے مشورہ کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا: سب سے ہلکی حد اسی کوڑے ہیں۔

پس یہ احادیث ثابت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی معین عدد مقرر نہیں تھی، حضرت ابوبکرؓ نے اس کا چالیس سے اندازہ لگایا، اور آخر کار اسی کوڑوں پر اتفاق ہوا''۔[1]

''البناية'' میں ہے:

> ''امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت کے مطابق حد چالیس کوڑے ہیں، ابن منذرؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، پس اگر چالیس کے قریب سزا کپڑوں کے کناروں اور جوتوں سے دی تو یہ بھی کافی ہوگی، اور اگر امام مصلحت کے پیش نظر اسی کوڑے مارنے کا فیصلہ کرے تو یہ بھی جائز ہوگا''۔[2]

☆☆☆

(۱) ابن الهمام، كمال الدين محمد بن عبدالواحد، فتح القدير (بيروت: دارالفكر)، ج۵، ص:۳۱۰.

(۲) العيني، محمود بن أحمد بن موسى، البناية شرح الهداية (بيروت: دارالكتب العلمية)، ج۶، ص:۳۵۶.

آٹھویں فصل
خرید وفروخت کا بیان

جوتے چپلوں میں استصناع کرنا:

فقہا نے تعامل کی بنیاد پر استحسانا جوتے چپلوں میں استصناع (آرڈر پر تیار کرانا) جائز قرار دیا ہے، قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یہ بیع مطلقاً ناجائز ہو، لیکن تعامل ناس کی بنیاد پر اس بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور استصناع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی کاریگر سے کہے: میرے لیے یہ چیز تیار کرو اور آرڈر کردہ چیز کی شکل وصورت، جنس ونقد اور مقدار ثمن وعوض کو مقرر کردے اور مدت مقرر کیے بغیر تیار کرنے والے کو کچھ نقد رقم یا کل عوض سپرد کردے یا کچھ بھی نہ دے، اگر اس نے مدت کی تعیین کردی تو پھر یہ بیع سلم ہوجائے گی۔

استصناع کے سلسلے میں ائمہ کے مذاہب:

استصناع کے سلسلے میں ائمہ کی آراء مختلف ہیں: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک از روئے قیاس استصناع جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس میں اجارہ کا امکان ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اجیر کی ملکیت میں استئجار (کرائے پر لینا) شمار ہوگا، جو کہ جائز نہیں ہے، جیسے: کسی شخص کو یہ کہنا کہ اپنے کھانے کو اس جگہ سے اس جگہ تک اتنے درہم کے عوض اٹھاؤ، یا اپنے کپڑے کو سرخ رنگ میں اتنے درہم کے عوض رنگو، تو یہ اجارہ میں درست نہیں ہے اور جب اجارہ میں درست نہیں ہے تو استصناع بھی درست نہیں ہونا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے اس کو بیع بھی قرار دینا ممکن نہیں ہے؛ کیوں کہ عقد کے وقت مبیع معدوم ہے اور معدوم کی بیع

درست نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "لا تبع ما ليس عندك"[1] (جو چیز تمہارے قبضے میں نہیں ہے اس کو فروخت مت کرو) کی مخالفت کی وجہ سے، اس حدیث کو اصحاب سنن اربعہؒ نے روایت کیا ہے۔

اعتراض اور اس کا جواب:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر مبیع کے معدوم ہونے کی وجہ سے استصناع ناجائز ہے تو پھر بیع سلم بھی ناجائز ہونی چاہیے؟ اس لیے کہ وہاں بھی بہ وقت عقد مسلم فیہ معدوم ہوتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ ناجائز ہو؛ لیکن بیع سلم کو نص کی وجہ سے جائز گردانا گیا ہے جس کو صحاح ستہ میں ابن عباسؓ سے روایت کیا گیا ہے: "قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المدينة، والناس يسلفون فى التمر السنتين والثلاث، فقال: من أسلف في شيء فليسلف في كيل معلوم إلى أجل معلوم"[2] جب آپ

---

(۱) أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب في الرجل يبيع ما ليس عند" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۳۵۰۳.

أخرجه الترمذي في سننه، "باب ما جاء في كراهية بيع ما ليس عندك" (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث:۱۲۳۲.

أخرجه النسائي في سننه، "باب بيع ما ليس عنده" (حلب: مكتب المطبوعات الاسلامية)، رقم الحديث:۴۶۱۳.

أخرجه ابن ماجه في سننه، "باب النهي عن بيع ما ليس عندك و عن ربح ما لم يضمن" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۲۱۸۷.

(۲) أخرجه البخاري في صحيحه، "باب السلم في وزن معلوم" (القاهرة: دارالشعب)، رقم الحديث:۲۲۴۰.

أخرجه المسلم في صحيحه، "باب السلم" (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث:۴۲۰۲.

أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب في السلف" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۳۴۶۳.

أخرجه الترمذي في سننه، "باب ما جاء في السلف في الطعام والتمر" (بيروت: دار احياء التراث العربي)، رقم الحديث:۱۳۱۱.

.....بقیہ اگلے صفحہ پر.....

صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے تو لوگ کھجور میں دو تین سالوں کے لیے بیع سلم کرتے تھے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو کسی چیز میں بیع سلم کرے تو اسے چاہیے کہ متعین کیل میں متعین مدت کے لیے بیع سلم کرے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے نزدیک استصناع جائز ہے اس تعامل کی بنیاد پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اب تک بغیر کسی نکیر کے ثابت ہے اور جو اجماع عملی کے حکم میں ہے اور اس طرح کا تعامل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "**إن الله لا يجمع أمتي على الضلالة**" [1] (میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی ہے) کے تحت داخل ہوتا ہے، امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر اور انگوٹھی کا بہ طور استصناع بنوانا ثابت ہے۔

منبر کے بنوانے کی روایت بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ترمذیؒ، طبرانیؒ، عبدالرزاقؒ، بیہقیؒ اور ابن خزیمہؒ نے نقل کی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انگوٹھی کا بنوانے کی روایت بخاری میں مذکور ہے۔

نیز بخاری شریف اور طحاوی شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجامہ لگوانا اور سینگی لگانے والے کو اجرت دینا بھی ثابت ہے اگرچہ حجامت کے عمل کی مقدار اور سینگوں کے لگانے اور خون کھینچنے کی تعداد کا متعین ہونا کسی کے نزدیک ضروری نہیں ہے، اور آپ صلی

.....گذشتہ کا بقیہ صفحہ.....أخرجه النسائي في سننه، "باب السلف في الثمار" (حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية)، رقم الحديث:٤٦١٦.

أخرجه ابن ماجه في سننه، "باب السلف في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:٢٢٨٠.

(۱)أخرجه الترمذي في سننه، "باب ما جاء في لزوم الجماعة" (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث:٢١٦٧.

اللہ علیہ وسلم نے حمام کے بارے میں سنا اور اس میں مردوں کے داخل ہونے کو جائز قرار دیا اور اس میں پانی ڈالنے کی تعداد کی کوئی شرط بیان نہیں کی، اور صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد والوں کا یہی معمول رہا۔ ان تمام روایات سے استصناع کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ استصناع کی کوئی اصل نہیں ہے تو وہ ان روایات سے غافل ہے۔

استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع ہے؟

دوسرا اختلاف اس چیز میں ہے کہ استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع ہے؟ بعض احناف جیسے حاکم شہیدؒ اور محمد بن سلمہؒ کا کہنا ہے کہ ابتداء وعدہ بیع ہے اور لین دین کے بعد یہ عقد بیع بن جاتا ہے؛ اسی لیے دونوں کے لیے خیار ثابت ہوتا ہے۔

لیکن احناف کا صحیح مذہب یہ ہے کہ استصناع بیع ہے، جیسا کہ علامہ فخر الاسلامؒ نے ''**الجامع الصغیر**'' کی شرح میں ذکر کیا ہے، امام محمد رحمہ اللہ نے استصناع میں قیاس اور استحسان دونوں کو ذکر کیا ہے اور یہ دونوں چیزیں وعدہ میں جاری نہیں ہوتی ہیں اور امام محمدؒ نے اس کو شراء قرار دیا ہے؛ کیوں کہ آرڈر دینے والے نے اپنی خرید کردہ شئ کو دیکھا نہیں ہے تو اسے خیار رؤیت حاصل ہوگا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ استصناع کو بیع کہنا درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس میں مبیع معدوم ہوتی ہے اور معدوم کی بیع درست نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی معدوم کو حکما موجود مان لیا جاتا ہے، جیسا کہ ذبح کے وقت اگر ذابح بسم اللہ بھول جائے تو کہا جاتا ہے کہ ذبیحہ حلال ہے؛ کیوں کہ بسم اللہ اس کے دل میں ہے اور جیسے اجارہ کہ اس میں معقود علیہ ہوتا ہی نہیں ہے؛ کیوں کہ معقود علیہ منافع ہوتے ہیں جن کا کوئی حسی وجود ہی نہیں ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود بالاتفاق اجارہ جائز ہوتا ہے۔

استصناع میں معقود علیہ: شئ یا عمل؟

تیسرا اختلاف اس چیز میں ہے کہ استصناع میں شئ معقود علیہ ہوتی ہے یا عمل معقود علیہ ہوتا ہے؟ فقہاء احناف میں فقیہ ابوسعیدؒ کا مذہب یہ ہے کہ استصناع میں معقود علیہ عمل ہوتا ہے؛ اس لیے کہ استصناع نام ہی ہے کاریگری کے مطالبے کا، لیکن احناف کا صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ معقود علیہ عین شئ ہوتی ہے، اور امام محمدؒ کا اس کو شراء قرار دینا اس کی بین دلیل ہے۔

''الذخیرۃ'' میں ہے:

''استصناع ابتداء اجارہ ہے اور انتہاء بیع ہے اس کی دلیل امام محمدؒ کا یہ قول ہے کہ اگر صانع مرجائے تو عقد باطل ہوجاتا ہے اور مستصنع کو ترکہ میں سے کچھ نہیں ملتا ہے؛ کیوں کہ یہ ابتداء اجارہ ہے اور انتہاء بیع ہے''۔

استصناع میں خیار:

استصناع میں عاقدین کے لیے خیار ثابت ہے یا نہیں؟ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک استصناع میں کسی کے لیے بھی خیار ثابت نہیں ہے نہ صانع کے لیے اور نہ ہی مستصنع کے لیے، صانع کے لیے تو اس لیے نہیں کہ وہ اس چیز کو فروخت کرنے والا ہے جو اس نے ابھی تک دیکھی نہیں ہے اور احناف کے نزدیک بائع کے لیے کسی قسم کا خیار حاصل نہیں ہوتا ہے، اور مستصنع کے لیے اس لیے نہیں کہ اگر مستصنع کے لیے خیار کو ثابت مان لیا جائے تو یہ صانع کے لیے باعث ضرر ہوگا؛ کیوں کہ اس چیز کو اس طرز پر مستصنع کے علاوہ کوئی اور خریدے گا ہی نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ دونوں کے لیے خیار ہوگا، مستصنع کے لیے تو اس لیے کہ اس نے وہ چیز خریدی ہے جو اس نے نہیں دیکھی ہے اور صانع کے لیے اس لیے خیار ثابت ہوگا کہ معقود علیہ کی سپردگی اسی وقت ممکن ہے جب وہ دھاگے یا چمڑے کو تلف کردے، اور اصح قول وہ ہے جس کو صاحب قدوریؒ نے ذکر کیا ہے کہ خیار صرف مستصنع کے لیے ہوگا،

صانع کے لیے نہیں ہوگا۔امام محمدؒ نے ''المبسوط'' میں صراحت کی ہے: عمل شروع کرنے سے پہلے بلا اختلاف دونوں جانب سے استصناع لازم نہیں ہوتا ہے اور دونوں کو کام سے انکار کرنے کا اختیار ہے، جیسے بیع بالخیار میں فریقین کو اختیار ہوتا ہے، لیکن اگر کام مکمل ہو جائے، لیکن مستصنع نے اسے نہ دیکھا ہو تو بھی دونوں کو خیار حاصل ہوگا، حتی کہ صانع کو اختیار ہے کہ وہ اسے جس کو چاہے بیچ دے اور اگر صانع نے مطلوبہ صفت کے مطابق چیز پیش کر دی، تو صانع کا خیار ختم ہو جائے گا، جب کہ مستصنع کا خیار باقی رہے گا، یہ ظاہر الروایہ ہے اور یہی صحیح ہے۔

استصناع بیع سلم ہے یا نہیں؟

پانچواں اختلاف یہ ہے کہ استصناع بیع سلم ہے یا نہیں؟ اگر مستصنع مدت متعین نہ کرے تو یہ بالاتفاق استصناع ہوتا ہے اور ہر اس چیز میں جائز ہے جس میں لوگوں کا استصناع کرنے کا تعامل ہو، جیسے: ٹوپی، جوتے اور خفین وغیرہ اور جن چیزوں میں استصناع کا تعامل نہیں ہے تو ان میں استصناع جائز نہیں ہوگا، پس درزی اور جامہ باف سے کرتا بنوانے یا سلوانے کا استصناع درست نہیں ہے۔اور اگر استصناع میں مدت متعین کر دی جائے اور وہ ایسے امور میں ہو جس میں استصناع کا تعامل نہیں ہے تو وہ استصناع بالاتفاق بیع بن جائے گا، اور اگر مدت کا تعین ان چیزوں کے استصناع میں ہو جن میں استصناع کا تعامل بھی ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ استصناع بھی بیع سلم ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک اس پر استصناع کے ہی احکام جاری ہوں گے، امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک ایسا مالی دین ہے جو بیع سلم کا احتمال رکھتا ہے اور بیع سلم کا جواز اجماع سے ثابت ہے جس میں کوئی شبہ نہیں، لیکن تعامل ناس میں جو استصناع ہے، اس میں یک گونہ شبہ ہے؛ اس لیے اسے سلم پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ

حقیقتاً استصناع میں استعمال ہوتا ہے، لہذا اس کے مقتضیٰ کی رعایت کی جائے گی، اور مدت کو تعجیل پر محمول کیا جائے گا۔ صاحب ہدایہؒ نے امام صاحبؒ کے قول کو مختار کہا ہے لیکن بہتر قول فقیہ ہندوانیؒ کا ہے کہ اگر مدت کا تذکرہ مستصنع کی جانب سے ہو تو وہ تعجیل کے لیے ہوتا ہے اور اگر مدت کا تذکرہ صانع کی جانب سے ہو تو وہ مہلت طلب کرنے کے لیے ہوگا۔ (لہٰذا مدت کی تعین سے استصناع بیع سلم نہیں بنے گا)

بائع سے چمڑا اور جوتا اس شرط پر خریدنا کہ وہی اس کا جوتا یا تسمہ بنائے گا:

اگر کوئی شخص اس شرط پر چمڑا خریدے کے بائع ہی اس کا جوتا یا تسمہ بنائے گا تو قیاس کے مطابق بیع فاسد ہے؛ اس لیے کہ یہ ایسی شرط ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے، لیکن تعامل ناس کی وجہ سے استحسانا جائز ہے، جیسے کپڑے کا رنگنا تو قیاس کی وجہ سے ناجائز ہے کہ اجارہ تو منافع کی فروختگی کا نام ہے اور کپڑے کے رنگنے میں عین (رنگ) کی فروختگی لازم آرہی ہے لیکن لوگوں کے تعامل کی وجہ سے جائز کیا گیا ہے، پس ایسے ہی مذکورہ عقد کو بھی لوگوں کے تعامل کی بنیاد پر جائز کہا گیا ہے۔

☆☆☆

نویں فصل

حظر واباحت کا بیان

جوتے پہننے کا شرعی حکم:

جوتے پہننا شرعی طور پر مستحب ہے؛ باری تعالیٰ کا قران کریم میں ارشاد ہے: ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ﴾[۱] زینت اختیار کرو، اور بعض روایات میں زینت کی تفسیر نعل سے کی گئی ہے، اور آیت کریمہ میں امر ایجاب کے لیے نہیں ہے بلکہ استحباب کے لیے ہے؛ لہٰذا جوتا پہننا مستحب ہے، اسی طرح اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے: ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾[۲] کہ اپنے جوتے اتار دو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جوتا پہننا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عادت تھی۔

ابن ابی شیبہؒ حضرت مجاہدؒ سے نقل کرتے ہیں: کہ انبیا علیہم السلام جب حرم میں آتے تھے تو اپنے جوتے اتار دیتے تھے اور انبیا ان ہی چیزوں کو عادت بناتے ہیں جو بہتر ہوتی ہیں،[۳] (پس جوتے کا پہننا عادات انبیا میں سے ہے، جس کا کم سے کم درجہ استحباب کا ہے)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے بہت سی روایات جوتا پہننے کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں، ان حضرات کی پیروی میں ہی ہدایت مضمر ہے اور ان کے

---

(۱)سورة الأعراف:۳۱.

(۲)سورة طٰہٰ:۱۲.

(۳)أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه، "باب في الرجل يطوف و عليه نعلاه" (الرياض: مكتبة الرشد)، رقم الحديث:۱۳۸۰۳.

راستے سے انحراف گمراہی ہے۔ جوتا پیروں کو گندگی اور ناپاک چیزوں سے بچاتا ہے اور شریعت میں نظافت وطہارت کی تلقین کی گئی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ دلائل اربعہ سے جوتے پہننے کا استحباب ثابت ہوتا ہے، لیکن جوتا پہننے والے شخص کے لیے بہتر ہے کہ وہ تکبر اور فخر سے بچنے کے لیے کبھی کبھی ننگے پیر بھی چلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ بھی یہی تھی۔

مسلم شریف اور ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة غزوناها، يقول: استكثروا من النعال، فإن الرجل لا يزال راكبا ما انتعل''[1]

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غزوے میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے: جوتے خوب پہنا کرو؛ کیوں کہ انسان جب تک جوتے پہن کر رہتا ہے تو وہ سوار کی مانند ہوتا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یعنی وہ سوار شخص کے مشابہ ہوتا ہے؛ کیوں کہ اسے بھی سوار شخص کی طرح کم مشقت، کم تھکن اور راستوں کی سختیوں، کانٹوں اور دیگر نقصان دہ چیزوں سے بچاؤ حاصل ہوتا ہے۔

ابن عساکرؒ نے تاریخ میں، حاکمؒ نے ''المستدرک'' میں، امام احمد بن حنبلؒ نے ''المسند'' میں اور امام بخاریؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ''المتنعل راكب''[2] جوتا پہنا ہوا شخص سوار کے مانند ہے۔

علامہ طبرانیؒ نے ''المعجم الأوسط'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''استكثروا من النعال فإن الرجل

---

(۱) أخرجه المسلم في صحيحه، ''باب ما جاء في الانتعال و الاستكثار'' (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ۵۶۱۵.

أخرجه أبوداؤد في سننه، ''باب في الانتعال'' (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۴۱۳۳.

(۲) ابن عساكر، ابو القاسم علي بن الحسن، تاريخ مدينة دمشق (بيروت: دار الفكر)، ج ۲۸، ص: ۴۴.

لا يزال راكبا ما دام متنعلا" جوتے بہ کثرت پہنا کرو؛اس لیے کہ جوتا پہنا ہوا شخص جب تک جوتا پہن کر رہتا ہے تو وہ سوار کی طرح ہوتا ہے۔

"أیمان" کا مدار عرف پر ہے:

اگر کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ وہ سوار نہیں ہوگا، پھر وہ جوتا پہن لے، تو وہ حانث نہیں ہوگا، اگر چہ احادیث میں "راکب" کا اطلاق "متنعل" پر کیا گیا ہے؛اس لیے کہ أیمان میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے اور جوتے پہنے ہوئے شخص کو عرف میں سوار نہیں کہا جاتا ہے اور اس کی نظیر وہ مسئلہ ہے جس کو فقہا نے ذکر کیا ہے: کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا پھر وہ مچھلی کا گوشت کھالے تو وہ حانث نہیں ہوگا؛اس لیے کہ عرف میں مچھلی کو گوشت نہیں کہا جاتا ہے اور نہ ہی مچھلی فروش کو "گوشت بیچنے والا" کہا جاتا ہے، اگر چہ قرآن کریم میں حضرت موسی اور خضر علیہما السلام کے واقعے میں مچھلی پر گوشت (لحم) کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اہل کتاب کی مخالفت کا حکم:

مسند احمد اور شعب الایمان میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"**خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم على الأنصار، فقال: يا معشر الأنصار! حمروا وصفروا، وخالفوا أهل الكتاب، فقلت: يا رسول الله! هم يتسرولون ولا يتذرون، فقال: تسرولوا وانتزروا وخالفوا أهل الكتاب، فقلنا: يا رسول الله! إن أهل الكتاب يتخففون، ولا ينتعلون، فقال: تخففوا وتنعلوا، وخالفوا أهل الكتاب**"[1]

---

(۱)أخرجه أحمد في مسنده (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث:۲۲۲۸۳.

أخرجه البيهقي في معرفة السنن والآثار (بومبائي: مكتبة الرشد)، رقم الحديث:۵۹۸۷.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی جانب نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! اپنے بالوں کو سرخ اور زرد کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو، صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اہل کتاب تہ بند نہیں باندھتے ہیں، بل کہ پاجامہ پہنتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پاجامہ بھی پہنو اور تہ بند بھی باندھو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو، صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! اہل کتاب جوتے نہیں پہنتے اور خفین پہنتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جوتے بھی پہنو اور خفین بھی پہنو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

علامہ شیرازیؒ نے "الألقاب" میں، ابن عدیؒ نے "الكامل" میں اور خطیبؒ نے "تاريخ بغداد" میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے: "أمرت بالنعلين والخاتم" مجھے جوتے اور انگوٹھی پہننے کا حکم دیا گیا ہے، البتہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

کبھی کبھی ننگے پیر چلنا:

جوتا پہننے والے شخص کے لیے بہتر ہے کہ وہ کبھی کبھی ننگے پیر بھی چلے؛ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی ہو جائے؛ اس لیے کہ ننگے پیر چلنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ رہی ہے، جیسا کہ حافظ زین الدین عراقیؒ نے اپنی کتاب "ألفية السيرة" میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار نقل کیے ہیں:

يردف خلفه على الحمار
على اكاف غير ذى استكبار
يمشى بلا نعل ولا خف
عياده المريض حوله الملا[1]

---

(۱) العراقي، زين الدين عبد الرحيم بن حسين، ألفية السيرة النبوية (بيروت: دار المنهاج)، ص: ۸۳.

گدھے پر سواری کے وقت اپنے پیچھے یا بدن پر کسی کو بھی بٹھا لیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کو بڑا نہیں سمجھتے تھے، بغیر جوتے اور خفین کے چل لیتے تھے اور ارد گرد لوگوں کا ہجوم ہونے کے باوجود مریض کی عیادت کرتے تھے۔

خطیب بغدادیؒ نے "تاریخ بغداد" میں اور طبرانیؒ نے "المعجم الأوسط" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے: "إذا تسارعتم إلى الخير فامشوا حفاة فإن اللّٰه يضاعف أجره على المتنعل"[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم نیکی کی طرف جلدی کرو تو ننگے پاؤں چلو، کیوں کہ اللہ رب العزت ننگے پاؤں چلنے والے کا اجر جوتے پہننے والے کے مقابلے میں دوگنا کر دیتا ہے۔

اسی طرح طبرانیؒ نے "المعجم الكبير" میں حضرت ابو حدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سند ضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے: "استقبلوا القبلة وامشوا حفاة" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قبلے کی جانب رخ کرو اور ننگے پاؤں چلو۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "وامشوا حفاة" اور اس جیسے دیگر اقوال سے ننگے پیر چلنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے؛ لیکن ہمارے اصحاب میں سے کسی نے اس کو صراحت کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس میں کچھ تفصیل کی جائے کہ اگر ننگے پیر چلنے سے تواضع اور عاجزی کا ارادہ ہو اور پیروں کے گندے ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو تو پھر ننگے پیر چلنا مسنون ہے، ورنہ تو نہیں، فقہا کے اس قول: "اگر پیروں کے گندے ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر مکہ میں ننگے پیر داخل ہونا مسنون ہے" سے بھی مذکورہ قول کی تائید ہوتی ہے۔

---

(۱) البغدادي، الخطيب، أحمد بن علي بن ثابت، تاريخ بغداد (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۲۳، ص:۷۵.

أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط، (القاهرة: دار الحرمين)، رقم الحديث:۴۱۸۳.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی برہنہ پشت والے گھوڑے پر سوار ہوتے اور کبھی زین والے گھوڑے پر، اور کبھی جوتے پہن کر پیدل چلتے اور کبھی بغیر جوتوں کے۔

ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے: "**البذاذة من الإيمان**"[1] یعنی سادگی ایمان کا حصہ ہے اور البذاذۃ کا مطلب سادگی اور ظاہری حالت کا معمولی ہونا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: "**إن الله يحب أن يرى أثر نعمته على عبده**"[2] اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کے آثار نظر آئیں۔

ان دونوں احادیث میں کوئی تضاد نہیں؛ کیوں کہ پہلی حدیث کو ان مواقع پر محمول کیا جائے گا جہاں سادگی اختیار کرنا مطلوب ہو، اور دوسری حدیث کو ان مواقع پر جہاں عمدہ لباس پہننے کا مقصد اللہ کی نعمت کا اظہار ہو۔

جوتا پہن کر چلنا افضل ہے یا ننگے پیر؟

اگر سوال کیا جائے ان دونوں میں سے کون سا عمل افضل ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ موقع ومحل کے لحاظ سے دونوں عمل بہتر ہیں۔ یہ تفصیل عمدہ ہے اور ہمارے احناف کے اصول کے خلاف بھی نہیں ہے، اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ "**خزانة الرواية**" میں لکھا ہے:

"کبھی کبھی تواضع کے لیے ننگے پاؤں چلنا بھی سنت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اس کا حکم دیا کرتے تھے۔" "**السيرة الأحمدية**" میں شیخ محمد آفندی حنفیؒ نے تیسرے باب میں ان امور کا ذکر کیا جو بظاہر شریعت کا حصہ سمجھے جاتے ہیں، حالاں کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ فرماتے ہیں: بعض نے کہا کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا، ننگے پاؤں نماز

---

(۱) أخرجه أبوداؤد في سننه، "كتاب الترجل" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۴۱۶۱.

(۲) أخرجه الترمذي في سننه، "باب ما جاء إن الله تعالىٰ يحب أن يرى أثر نعمته على عبده" (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث: ۲۸۱۹.

پڑھنے سے افضل ہے؛ کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور صحابہ کو جوتے اتارنے سے منع فرمایا۔

امام نخعی رحمہ اللہ نے کہا ہے: کاش کوئی شخص مسجد میں آئے اور ان جوتوں کو اٹھالے جنھیں لوگ مسجد کے قریب اتار دیتے ہیں اور انھیں پہن کر نماز نہیں پڑھتے، سلف صالحین گلیوں کے کیچڑ میں ننگے پاؤں چلتے اور ان ہی میں بیٹھ جاتے، اور کیچڑ یا دیگر چیزوں کے لگنے کی پرواہ نہیں کرتے تھے، کیوں کہ ان کے دل صاف تھے۔

جو شخص ننگے پیر چلے یا ننگے پیر چلتے ہوئے شخص کو دیکھے تو وہ قیامت کے دن میدان حشر کو یاد کرے؛ اس لیے کہ بخاریؒ، مسلمؒ، طبرانیؒ، اور بیہقیؒ وغیرہ نے اس طرح کی روایات کو جمع کیا ہے کہ لوگ قیامت کے دن ننگے پیر اور ننگے بدن جمع کیے جائیں گے اور ان سب روایات کو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''**البدور السافرة في أحوال الآخرة**''[1] میں جمع کر دیا ہے۔

ایک ضروری تنبیہ:

اگر کوئی شخص ننگے پیر ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ ناپاک جگہوں سے محتاط رہے اور اپنے پیروں کو آلودہ نہ ہونے دے اور نہ ہی اپنے دل میں اس طرح کا وسوسہ داخل ہونے دے، صحابہ اور تابعین کا یہی معمول رہا ہے۔ علامہ النابلسیؒ نے ''شرح الدرر'' میں لکھا ہے:

''اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو کر وضو کرے اور اس کے پاس جوتے نہ ہوں، پھر وہ اپنے پیروں کو مسجد کی سیڑھیوں پر رکھ دے، جہاں سے ان حضرات کا گزر ہوا تھا جن کے پیروں پر گندگی لگی ہوئی تھی، تو یہ بھی جائز ہے، اور اگر وہ اس بات کو نہ جانتا ہو کہ اس نے اپنے پیروں کو ناپاک جگہ پر رکھ دیا ہے تو اس پر اپنے پیروں کا دھونا ضروری نہ ہوگا؛ اس لیے

---

(۱) السيوطي، جلال الدين بن عبدالرحمن، البدور السافرة في أحوال الآخرة (بيروت: دار الكتب العلمية)، ص:۱۱۹.

کہ اس میں عموم بلوی ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص غسل خانہ میں جا کر غسل کرے اور وہاں سے بغیر جوتے چپل پہن کر نکلے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

ایک پیر میں جوتا پہن کر چلنا:

ایک پیر میں جوتا پہن کر چلنا مکروہ ہے اس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے، صدر الشریعۃؒ نے ''التوضیح'' میں نقل کیا ہے: کہ یہ نہی تحریم کے لیے نہیں ہے، بلکہ ارشادی ہے، پس معلوم ہوا کہ ایک پیر میں جوتا پہن کر چلنا صرف مکروہ تنزیہی ہے اور ان روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کبھی کبھی ایک جوتا پہننا نقل کیا گیا ہے۔

امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ، امام ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: ''**لا يمشي أحدكم في نعل واحدة لينعلهما جمعا، أو ليحفهما جميعا**'' [1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے کوئی بھی ایک جوتے میں نہ چلے یا تو دونوں پہن لے یا دونوں اتار دے۔ مذکورہ حدیث کے متن میں محدثین کا اختلاف ہے: بعض روایات میں ''**ليحفهما**'' کی جگہ ''**ليخلعهما**'' کے الفاظ ہیں، ایک روایت میں ''**لا يمشي**'' کے بجائے ''**لا يمش**'' کے الفاظ ہیں، دوسری روایت میں ''**لا يمشين**'' کا صیغہ ہے۔

---

(۱) أخرجه البخاري في صحيحه، ''باب لا يمشي في نعل واحدة'' (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث: ۵۸۵۶.

أخرجه المسلم في صحيحه، ''باب إذا انتعل فليبدأ باليمين و اذا خلع فليبدأ بالشمال'' (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ۵۶۱۷.

أخرجه أبوداؤد في سننه، ''باب في الانتعال'' (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۴۱۳۶.

أخرجه الترمذي في سننه، ''باب كراهية المشي في النعل الواحدة'' (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث: ۱۷۷۴.

أخرجه ابن ماجه في سننه، ''باب المشي في النعل الواحد'' (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۳۶۱۷.

اسی طرح مذکورہ روایت کے لفظ ''لينعلهما'' کے اعراب میں بھی اختلاف ہے، چناں چہ علامہ نوویؒ نے اس کو باب افعال سے مانا ہے اور اس کا مصدر ''إنعال'' قرار دیا ہے، جب کہ دیگر شارحین نے اس کو باب سمع سے مانا ہے اور اس کا مصدر ''نعل'' قرار دیا ہے، حافظ زین الدین عراقیؒ نے ترمذی کی شرح میں علامہ نوویؒ کی پیروی کرتے ہوئے اس کو باب افعال سے مانا ہے، حالاں کہ یہ درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ اہل لغت نے لفظ نعل کو بھی ''ألبس النعل'' کے معنی میں استعمال کیا ہے اور تحقیقی بات علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھی ہے کہ اگر ضمیر کا مرجع ''قدمين'' ہو تو ضمہ اور فتحہ دونوں جائز ہے اور اگر ''نعلين'' مراد ہو تو پھر فتحہ پڑھنا متعین ہوگا۔

امام احمد ابن حنبلؒ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ''نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يمشي الرجل في نعل واحدة أو خف واحد'' [1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز سے منع کیا ہے کہ آدمی ایک جوتے اور ایک موزے میں چلے۔

امام ترمذیؒ نے شمائل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ''عن جابر أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يأكل يعني الرجل بشماله أو يمشي في نعل واحدة'' [2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک جوتا پہن کر چلے۔

امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور امام نسائیؒ حضرت ابوہریرہؓ اور طبرانیؒ، حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ''إذا انقطع شسع نعل أحدكم فلا يمش في

---

(۱) أخرجه أحمد في مسنده (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث: ۱۱۳۷۸.

(۲) أخرجه الترمذي في شمائله، (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث: ۷۸.

الأخرى حتى يصلحها‘‘[1] اگر تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ اس کی مرمت ہونے تک دوسرے جوتے میں نہ چلے۔ یہ سب احادیث ایک جوتے میں چلنے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔

ایک جوتا پہن کر چلنا احادیث سے ثابت ہے:

امام ترمذیؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

’’ربما مشى رسول الله صلى الله عليه وسلم في نعل واحدة ثم روي عن عبد الرحمن عن أبيه عنها:أنها مشت بنعل واحدة‘‘[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوتا پہن کر چلتے تھے، پھر حضرت عبدالرحمٰن اپنے والد سے نقل کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک جوتا پہن کر چلتی تھی۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ روایت اصح ہے، سفیان ثوریؒ نے عبدالرحمٰن سے اس روایت کو موقوفاً نقل کیا ہے۔

صاحب ’’خزانة الرواية‘‘ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوتے اور ایک خفین میں نہیں چلتے تھے اور یہی حکم آستین سے ایک ہاتھ نکالنے یا ایک کندھے پر چادر ڈالنے کا ہے۔

---

(۱)أخرجه المسلم في صحيحه، ’’باب إذا انتعل فليبدأ باليمين و إذا خلع فليبدأ بالشمال‘‘ (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث:۵۶۱۷.

أخرجه النسائي في سننه، ’’باب ذكر النهي عن المشى في نعل واحدة‘‘ (حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية)، رقم الحديث:۵۳۶۹.

أخرجه الطبراني في المعجم الكبير (القاهرة: دارالحرمين)، رقم الحديث:۶۹۹۱.

(۲)أخرجه الترمذي في سننه، ’’باب ما جاء من الرخصة في المشى في النعل الواحدة‘‘ (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث:۱۷۷۷.

ایک چپل پہن کر چلنے کی ممانعت کی وجہ:

علامہ خطابیؒ ابوداؤد کی شرح میں لکھتے ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوتے میں چلنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ اس میں نام ونمود ہے اور ہر وہ چیز جس میں دکھاوا ہو تو شرعاً مذموم ہے اور یہی حکم ایک خفین کے پہننے، آستین سے ایک ہاتھ نکالنے اور ایک کندھے پر چادر ڈالنے کا ہے، چناں چہ یہ سب چیزیں مکروہ ہیں''۔[۱]

علامہ ابن اثیرؒ نے ''النهاية'' میں لکھا ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس لیے منع فرمایا تاکہ ایک پیر دوسرے پیر سے اونچا ہو کر لڑکھڑانے کا سبب نہ بنے اور دیکھنے میں برا نہ لگے''۔[۲]

علامہ عصام الدینؒ نے لکھا ہے: اس سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں شائستگی اور وقار ختم ہو جاتا ہے، ایک عضو عجیب وغریب دکھتا ہے جس سے دوسروں کو مذاق اڑانے کا موقع فراہم ہوتا ہے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں سے بھی بچنے کو کہا ہے جو دوسروں کے گناہ میں مبتلا ہونے کا باعث بنے، فرمایا: ''**من أحدث في الصلاة بالقبض على أنفه ليظن الناس أنه رعف، حتى لا يخوضوا في عرضه لأن ذالک من مشية الشياطين، و لما فيه من المشقة**''[۳] جو شخص نماز

---

(۱) الخطابي، أبو سليمان حمد بن محمد، معالم السنن (حلب: المطبعة العلمية)، ج۴، ص:۲۰۴.

(۲) الجزري، ابن الأثير، مجد الدين أبو السعادات، النهاية في غريب الحديث والأثر (رياض: المكتبة الاسلامية)، ج۳، ص:۲۰۵.

(۳) شرح الشمائل: ص:۶۷، ط: مكتبة الأستاذ محمد بن تركي.

میں اپنی ناک کو اس لیے دبائے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی ہے تو لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس کی عزت پر زبان درازی نہ کریں، نیز ایک جوتا پہننے میں شیاطین کے ساتھ مشابہت بھی ہے اور اس میں مشقت بھی ہے۔ اور یہ ممانعت اس صورت کو بھی شامل ہے جب کوئی ایک جوتا پہن لے اور ایک موزے میں چلے، علامہ ابن حجر مکیؒ نے اس پر رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ پچھلی علتوں میں سے ایک علت یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک پیر دوسرے سے الگ دکھتا ہے، اور اس میں شیطان کی مشابہت ہے، اور یہ عیب دار معلوم ہوتا ہے، یہ تمام امور زیر بحث مسئلے میں عدم کراہت کے متقاضی ہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ پچھلے علتوں میں سے وقار کے خلاف ہونا ہے اور یہ کہ ایک پیر دوسرے پیر سے اونچا لگتا ہے، اور یہ سب کچھ اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ یہ مکروہ ہو، لہٰذا اس حکم کو ترجیح دی جائے گی۔

"سبل الهدي والرشاد" میں ہے:

> "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک جوتے میں چلنا بھی ثابت ہے اور اس سے ممانعت بھی ثابت ہے، تو احتمال اس بات کا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل بیان جواز یا ضرورت کی بناء پر تھا"۔[1]

علامہ طبرانیؒ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "**كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا انقطع شسع نعله مشى في نعل واحدة والأخرى في يده حتى يجد شسعا**"[2] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوتے میں چلتے رہتے اور دوسرے کو ہاتھ میں لے لیتے تھے، جب تک کہ آپ کو تسمہ نہ مل جاتا۔

---

(۱) الشامي، محمد بن يوسف، سبل الهدي والرشاد (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۷، ص:۳۲۱.

(۲) أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط، (القاهرة: دار الحرمين)، رقم الحديث:۴۰۱۴.

''فتح المتعال'' میں ہے:

''اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے، پھر وہ ایک یا دو قدم چلے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی بری بات ہے، شریعت میں یہ بات معروف ہے کہ قلیل پر اعتماد کیا جائے اور کثیر کو چھوڑ دیا جائے، اور احادیث میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ ایک انصاری صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ''یا خیر من یمشی بنعل فرد'' سے مخاطب کیا، تو وہ اس قبیل سے نہیں ہے؛ حافظ زین الدین عراقیؒ اس پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ یہاں فرد سے مراد وہ جوتا ہے جس کی نہ مرمت کی گئی ہو اور نہ ہی کسی اور چیز سے جوڑا گیا ہو، بل کہ وہ ایک ہی تہہ پر مشتمل ہو اور عربوں کو جوتوں کی چمک پسند تھی۔''[1]

لکڑی کے جوتے پہننا:

لکڑی کے جوتے پہننا بدعت ہے، ''فتاوی الحمادية''، ''خزانة الروايات'' اور ''المصفى'' وغیرہ میں یہی ذکر کیا گیا ہے۔[2]

بلا اجازت کسی کا جوتا استعمال کرنا:

علامہ محمد برکلی رومیؒ نے ''الطريقة المحمدية'' میں لکھا ہے:

''کسی کی چیز غلط طریقے سے لے کر فائدہ اٹھانا خواہ اس کے مالک کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، ناجائز ہے، اور اگر کوئی کسی کا جوتا غلطی سے پہن لے اور بعد میں اسے معلوم ہو کہ وہ اس کا جوتا نہیں ہے تو اس جوتے کا حکم لقطہ کا ہے اس پر اس کی تشہیر ضروری ہے، جیسے: کسی کے کپڑے پہن لینا یا بھولے سے دوسرے کے جوتے پہن لینا''۔

---

(۱) التلمساني، المالكي، أبو العباس أحمد بن محمد، فتح المتعال في مدح خير النعال (القاهرة: دار القاضي عياض)، ص:۳۹.

(۲) الناكوري، ركن الدين، الفتاوى الحمادية (بيروت: دار الكتب العلمية)، ص:۲۸۹.

علامہ عبدالغنی بن اسماعیل نابلسیؒ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر کسی شخص کے جوتے چوری ہو جائیں اور اس کی جگہ اسے دوسرے جوتے ملیں تو اس کے لیے انھیں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور انتفاع کے جواز کا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ان کو اپنے اقارب میں سے کسی غریب کو صدقہ کر دے، پھر اس سے ان کو بطور ہبہ طلب کرے، ''الينابيع'' اور ''الخلاصة'' وغیرہ میں اسی طرح ہے۔لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ اس کے مالک کا علم نہ ہو اگر اس کا مالک معلوم ہو تو پھر یہ جوتے اس کے پاس امانت ہوں گے اور اس کے لیے ان جوتوں کو استعمال کرنا درست نہیں ہوگا، الا یہ کہ ان جوتوں کا مالک استعمال کی اجازت دیدے۔

جوتا پہننے اور نکالنے کا طریقہ:

مستحب یہ ہے کہ جوتا اولا دائیں پیر میں پہنا جائے اور پھر بائیں پیر میں اور جوتا اتارتے وقت اس کے برعکس کیا جائے، ''خزانة الروايات'' میں اسی طرح مذکور ہے۔[1]

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**إذا انتعل أحدكم فليبدأ باليمنى، وإذا خلع فليبدأ بالشمال، ولينعلهما جميعا أو ليخلعهما**''[2] جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو دائیں پیر سے شروع کرے اور جب جوتا اتارے تو بائیں پیر سے ابتدا کرے اور دونوں کو ایک ساتھ پہنے یا دونوں کو ایک ساتھ اتارے۔

بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے قریب قریب الفاظ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ''**كان رسول الله صلى الله عليه**

---

(۱)الغجراتي، القاضي جكن الحنفي، خزانة الروايات (بيروت: دار الكتب العلمية)،ص:۲۴۷.

(۲)أخرجه المسلم في صحيحه، ''باب إذا انتعل فليبدأ باليمين و إذا خلع فليبدأ بالشمال'' (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث:۵۶۱۶.

وسلم يعجبه التيامن في تنعله، وترجله، وطهوره، وشانه كله"[۱] آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوتا پہننے، کنگھی کرنے، وضو کرنے اور اپنے تمام معاملات میں دائیں جانب سے آغاز کرنے کو پسند کرتے تھے۔ صاحب ہدایہؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے: "إن اللّٰه يحب التيامن في كل شيء حتى التنعل والترجل"[۲] اللہ رب العزت ہر چیز میں دائیں جانب کو پسند کرتے ہیں یہاں تک کہ جوتا پہننے اور کنگھی کرنے میں بھی۔ علامہ زیلعیؒ نے مذکورہ حدیث کی تخریج کرتے ہوئے اس حدیث کو "غريب بهذا اللفظ"[۳] کہا ہے۔

عبداللہ بن ابی جمرہ اندلسیؒ نے بخاری کی شرح میں حضرت عائشہؓ کے قول کی تشریح کرتے ہیں: "كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يحب التيمن ما استطاع في شأنه كله في طهوره، وترجله وتنعله" اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہر چیز میں حتی الامکان دائیں جانب کو پسند کرتے تھے، یہاں تک کہ وضو کرنے، کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں بھی۔

---

(۱) أخرجه البخاري في صحيحه، "باب التيمن في الوضوء والغسل" (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث: ۱۶۸.

أخرجه المسلم في صحيحه، "باب التيمن في الطهور وغيره" (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ۶۴۰.

أخرجه أبو داؤد في سننه، "باب في الانتعال" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۴۱۴۰.

أخرجه الترمذي في سننه، "باب ما يستحب من التيمن في الطهور" (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث: ۶۰۸.

أخرجه النسائي في سننه، "باب التيمن في الطهور" (حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية)، رقم الحديث: ۴۲۱.

(۲) المرغيناني، برهان الدين ابو الحسن علي بن أبي بكر، الهداية (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، ج۱، ص: ۱۷.

(۳) الزيلعي، جمال الدين أبو محمد عبد اللّٰه بن يوسف، نصب الراية (جدة: دار القبلة)، ج۱، ص: ۳۴.

اس حدیث پر چند وجہوں سے کلام کیا جاسکتا ہے:

(۱) لفظ "ما استطاع" یہ اس بات پر دلیل ہے اگر استطاعت نہ ہو تو مستحب کو ترک کیا جاسکتا ہے، بل کہ استطاعت کے نہ ہوتے ہوئے تو فرائض کو بھی ترک جاسکتا ہے، پس جب فرائض کے باب میں یہ بات ہے تو مستحب کو تو بدرجہ اولی استطاعت کے نہ ہونے پر ترک کیا جاسکتا ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول: "في شأنه كله"، ایک امر مجمل ہے، پھر جب روایت میں تین چیزیں ذکر کی گئی ہیں تو اس امر مجمل کا فائدہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ صرف لفظ "شأن" ہی ذکر کرتی (اور آگے ان تین چیزوں کو ذکر نہ کیا جاتا) تو لفظ "شأن" کی مراد میں اختلاف ہوسکتا تھا، تو اس لیے ان تین چیزوں کا ذکر کیا تا کہ لفظ "شـــأن" کی مراد اور تقدیر کو سمجھنا آسان ہو اور پوشیدگی اور خفا دور ہو جائے، پس سب سے پہلے لفظ "طهور" کو ذکر کیا جو کہ اعلی ترین فرض ہے، بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسے نصف ایمان قرار دیا ہے، پھر "ترجل" کو ذکر کیا یہ بھی ایک بڑی سنت ہے، اور آخر میں "تنعل" کو ذکر کیا، جو کہ مباح اشیا میں ارفع اور بلند چیز ہے (تو گویا لفظ شان کی مراد بیان کرنے کے لیے ان تین چیزوں کو بطور مثال ذکر کیا گیا) کہ اس طرح کے تمام فرائض، مستحبات اور مباحات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیامن (دائیں جانب) کو پسند کرتے تھے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت میں ایک لفظ استعمال کیا ہے "كـــان يحب"، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پسندیدگی کی حکمت کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس لفظ کے ذریعے یہ بتلانا چاہتی ہیں کہ تیامن کوئی ضروری اور واجب امر نہیں ہے، کہ کوئی اس کے فرض ہونے کا اعتقاد کرلے، یا سنت ہونے کا اعتقاد کرلے، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس قول کے ذریعے ان سب

احتمالات کوختم کردیا''۔[۱]

جوتا پہننے میں دائیں پیر سے ابتدا کرنے کی علت:

''فتح المتعال'' میں ہے:

''جوتا پہننا انسان کی عزت اور تکریم کے زمرے میں آتا ہے، جب کہ جوتا اتارنا اہانت اور بے قدری کی علامت ہے اور دائیں جانب کو شرف حاصل ہے؛ لہٰذا اس کو ہر اس چیز میں مقدم کیا جائے گا جو عزت واحترام کے زمرے میں آتی ہے، اور جن کے ذریعے زینت اور صفائی کا ارادہ کیا جاتا ہے۔

اور جوتا اتارنا یہ کمال کی ضد ہے، تو جوتا اتارتے وقت یسار (بائیں جانب) کو مقدم کیا جائے گا اور اس کے علاوہ اس طرح کی دیگر چیزوں میں بھی یسار کو مقدم کیا جائے گا، جیسے: مسجد سے نکلنا، بیت الخلاء، پیشاب گھر اور بازار میں داخل ہونا، شرم گاہ کو چھونا، ناک صاف کرنا اور ناپاک چیزوں کا استعمال وغیرہ، کپڑے، موزے اور پاجامے کا حکم جوتے کی طرح ہے (دائیں جانب کو مقدم کیا جائے گا) لیکن مطلقاً جوتے اتارنے کو اہانت قرار دینا قابل غور ہے؛ اس لیے کہ کبھی جوتا اتارنا توہین نہ ہو کر عزت اور اکرام کے قبیل سے بھی ہوسکتا ہے''۔[۲]

علامہ عصام الدینؒ ''شرح الشمائل'' میں لکھتے ہیں: جوتا پہننا ایک بوجھ اٹھانا ہے اور دایاں پیر قوی اور مضبوط ہے، لہٰذا مناسب ہے بوجھ اٹھانے میں دائیں پیر کو مقدم کیا جائے اور جوتا اتارتے وقت اس کے برعکس کرلیا جائے۔[۳] علامہ ابن حجرؒ نے اس پر رد

---

(۱) الأندلسي، عبدالله بن سعد بن أبي جمره، بهجة النفوس و تحليها بمعرفة ما لها و ما عليها (دار الرياحين)، ج۲، ص:۲۵۶.

(۲) التلمساني، المالكي، أبو العباس أحمد بن محمد، فتح المتعال في مدح خير النعال (القاهرة: دار القاضي عياض)، ص:۶۵.

(۳) شرح الشمائل: ص:۸۷.

کرتے ہوئے کہا ہے: انھوں نے اس چیز کو پیش نظر رکھا ہے کہ حکم ارشادی ہے، فرض نہیں ہے حالاں کہ ایسا کہنا باطل ہے، اور سنت اور ائمہ کے اقوال کے خلاف ہے۔ علامہ مزیؒ نے ابن حجرؒ کے مذکورہ قول پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے: ابن حجرؒ کا یہ قول بھی محل نظر ہے۔

علامہ مزیؒ کے اس جملے میں ''نظر'' سے کیا مراد ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور جو بات میرے ذہن میں آئی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر یہ حکم ارشادی ہے، تو اس کے شرعی ہونے میں کوئی تضاد نہیں ہے اور علامہ عصام الدینؒ نے شرعی پہلو کو مسترد نہیں کیا ہے، تو ممکن ہے کہ اس کا ایک پہلو شرعی بھی ہو جیسا کہ پہلے ابن ابی جمرہ سے نقل کیا گیا ہے اور امام ترمذیؒ وغیرہ نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ حکم من وجہ ارشادی ہے، اور من وجہ شرعی ہے اور اس پر اعتراض کا کوئی جواز نہیں ہے۔

علامہ ابن حجرؒ نے ''فتح الباري'' میں علامہ طیبیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک: ''في شأنه كله'' یہ ترکیب میں ''في نعله'' سے بدل ہے؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''تنعل'' کا ذکر کیا جس کا تعلق پیر سے ہے، ''ترجل'' کا ذکر کیا جس کا تعلق سر سے ہے اور پھر ''طهور'' کا ذکر کیا جو عبادات کے لیے مفتاح (کنجی) کی حیثیت رکھتی ہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اعضا کا ذکر کر دیا اور یہ ''بدل الكل من الكل'' ہے۔ مسلم کی روایت میں چوں کہ ''في شأنه كله'' مقدم ہے تو وہاں ''بدل البعض من الكل'' قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی حدیث پر کلام کرتے ہوئے علامہ طیبیؒ نے وضو کی بحث میں کہا ہے: کہ جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ ظاہر سیاق پر مبنی ہے، لیکن بخاریؒ نے ''كتاب الأطعمة'' میں اس حدیث کو بہ سند عبداللہ ابن مبارکؒ شعبہؒ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: کہ ان کے شیخ اشعثؒ اس حدیث کو کبھی لفظ ''في شأنه

كله" تک بیان کرتے تھے اور کبھی لفظ "في تنعله" تک بیان کرتے تھے"۔[۱]

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے کبھی "تجمله" کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے اور کبھی دیگر الفاظ سے بیان کیا ہے، اس بنیاد پر اصل حدیث وہ ہے جس میں "تنعل" اور دیگر الفاظ کا ذکر ہے، امام مسلمؒ نے ابوالأحوص اور ابن ماجہؒ نے ابن عبد کے طریق سے اشعث سے اس روایت کو لفظ "في شأنه كله" کے بغیر ذکر کیا ہے، اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اصل حدیث وہی ہے جس میں لفظ "تنعل" وغیرہ کا تذکرہ ہے، اور جن روایات میں "في شأنه كله" پر اکتفا کیا گیا ہے وہ سب روایت بالمعنی کے قبیل سے ہیں۔

جوتے اتار کر کہاں رکھیں؟

بیٹھتے وقت جب جوتا اتارا جائے تو مستحب یہ ہے کہ ان کو اپنے سامنے رکھا جائے، جیسا کہ "خزانة الروايات" میں ذکر کیا گیا ہے۔[۲]

امام بیہقیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: "كان النبي إذا جلس يتحدث يخلع نعليه"[۳] آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھ کر بات چیت کرتے تو اپنے جوتوں کو اتار لیتے تھے۔

ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے: "من السنة إذا جلس الرجل أن يخلع نعليه، فيضعهما بجنبه"[۴] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں

---

(۱) العسقلاني، ابن حجر، أبو الفضل أحمد بن علي، فتح الباري (بيروت: دار المعرفة)، ج۱، ص:۲۷۰.

(۲) الغجراتي، القاضي جكن الحنفي، خزانة الروايات (بيروت: دار الكتب العلمية)، ص:۲۴۷.

(۳) أخرجه البيهقي في شعب الإيمان (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث:۱۵۳۷.

(۴) أخرجه أبو داؤد في سننه، "باب في الانتعال" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۴۱۳۸.

سے ہے کہ آدمی جب بیٹھے تو جوتے اتار دے اور ان کو اپنے پہلو میں رکھ لے۔

محقق قول:

پہلو میں جوتوں کا رکھنے کو حکم اس وقت ہے جب کہ پہلو میں کوئی اور نہ ہو اور اگر پہلو میں کوئی اور ہو تو پھر ان کو اپنے پیروں کے درمیان یا اپنے سامنے رکھے، جیسا کہ اس کا ذکر "**فصل الصلاة**" میں گزر چکا ہے۔

امام بزارؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: "**إذا جلستم فاخلعوا نعالكم تستريح أقدامكم**" [۱] جب تم بیٹھو تو اپنے جوتوں کو اتار دو تا کہ تمہارے پیروں کو آرام حاصل ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امر مبارک ارشادی ہے، شرعی نہیں ہے، پس جو اس عمل کو انجام دے گا تو یہ اس کے لیے بہتر ہوگا۔

جوتا بیٹھ کر پہنے:

"**عين العلم**" وغیرہ میں ہے:

"جوتا پہنتے اور اتارتے وقت مناسب یہی ہے کہ بیٹھا جائے"[۲]

ملا علی قاریؒ نے عین العلم کی شرح میں لکھا ہے یعنی اپنے گرنے کے خوف سے جوتا پہنتے اور اتارتے وقت بیٹھنا بہتر ہے، اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ کھڑے ہو کر پہننا دشوار ہو، جیسے: عربی جوتے اور خفین، کہ ان کو بیٹھ کر پہننا آسان ہوتا ہے، اور جن جوتوں کو کھڑے ہو کر پہننا دشوار نہ ہو جیسے: عجمی جوتے تو ان میں بیٹھنے کا حکم نہیں ہے۔[۳]

---

(۱) أخرجه البزار في مسنده، (المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم)، رقم الحديث:۷۵۶۸.

(۲) البغدادي، نور الدين علي بن الحسن، عين العلم (مدراس: مظهر العجائب)، ص:۹۱.

(۳) الملا القاري، علي بن سلطان محمد، شرح عين العلم و زين الحلم (مصر: إدارة الطباعة المنيرية)، ص:۱۴۰.

اس باب میں روایات کے اندر جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس کو مذکورہ تفصیل پر محمول کرنا چاہیے۔ وہ روایات مندرجہ ذیل ہیں:

ابو داؤد شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے، ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے، ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يتنعل الرجل قائما"[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر جوتا پہننے سے منع فرمایا ہے۔

علامہ خطابیؒ "معالم السنن" میں لکھتے ہیں:

> "جوتا کھڑے ہو کر پہننے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ بیٹھ کر پہننا زیادہ آسان اور بہتر ہے اور ممکن ہے کہ کھڑے ہو کر پہننے کی صورت میں آدمی گر جائے، اسی لیے بیٹھنے اور ہاتھ سے مدد لینے کا حکم دیا گیا تاکہ نقصان سے محفوظ رہا جا سکے"۔[2]

ابن سعدؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتنعل قائما و قاعدا"[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر جوتا پہنتے تھے۔ علامہ المقریؒ فرماتے ہیں: شاید یہ حکم جواز پر محمول ہے، لہٰذا

---

(۱) أخرجه أبو داؤد في سننه، "باب في الانتعال" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۴۱۳۵.
أخرجه الترمذي في سننه، "باب ما جاء في كراهية أن ينتعل الرجل وهو قائم" (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث: ۱۷۷۵.
أخرجه ابن ماجه في سننه، "باب الانتعال قائما" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۳۶۱۸، ۳۶۱۹.

(۲) الخطابي، أبو سليمان حمد بن محمد، معالم السنن (حلب: المطبعة العلمية)، ج۴، ص: ۲۰۳.

(۳) البصري، محمد بن سعد، الطبقات الكبرى (بيروت: دار صادر)، ج۱، ص: ۴۸۱.

کوئی تعارض نہیں ہے۔[۱]

"شرح السنة" میں ہے:

"ممانعت اس صورت پر محمول ہے کہ جب جوتا پہنتے وقت ہاتھ سے مدد لینے کی ضرورت ہو اور اس کے علاوہ کی صورت میں کوئی ممانعت نہیں ہے"۔[۲]

کھانا کھاتے وقت جوتے اتارنا:

جب کھانے کے لیے بیٹھے تو جوتے اتارنا بہتر ہے، جیسا کہ حاکمؒ نے "المستدرک" میں، علامہ طبرانیؒ نے "المعجم الأوسط" میں اور ابویعلیٰؒ نے اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے: "اذا أكلتم الطعام فاخلعوا نعالكم، فإنه أروح لأقدامكم "[۱] جب تم کھانا کھاؤ تو اپنے جوتے اتار دو؛ اس لیے کہ یہ تمہارے پیروں کے لیے راحت بخش ہے۔

مذکورہ حدیث میں "إذا أكلتم" کا مطلب "إذا أردتم الأكل" ہے یعنی جب تم کھانا کھانے کا ارادہ کرو تو اپنے جوتے اتار دو، جیسا کہ اللہ رب العزت کے ارشاد: ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾[۴] میں اقامت صلاۃ سے مراد ارادہ اقامت صلاۃ ہے، اس پر دارمی کی یہ روایت بھی شاہد ہے: "إذا وضع الطعام فاخلعوا

---

(۱) التلمساني، المالكي، أبو العباس أحمد بن محمد، فتح المتعال في مدح خير النعال (القاهرة: دار القاضي عياض)، ص:۶۷.

(۲) شرح السنة، أبو محمد حسين بن مسعود، شرح السنة (لاهور: أنصار السنة)، ج۲، ص:۶۵.

(۳) أخرجه الحاكم في المستدرک، (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث:۷۱۲۹. أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط، (القاهرة: دار الحرمين)، رقم الحديث:۳۲۰۲.

(۴) سورۃ المائدہ:۶.

نعالكم فإنه أروح لأقدامكم"[۱] جب کھانا رکھا جائے تو تم اپنے جوتے اتار دو؛ کیوں کہ یہ تمہارے پاؤں کے لیے راحت رسانی کا سامان ہے۔

ایک روایت ہے:"**إذا قرب أحدكم إلى طعامه وفي رجله نعلان، فلينزع نعليه؛ فإنه أروح للقدمين**"[۲] جب تم میں سے کسی کے پاس کھانا لایا جائے اور اس کے پیر میں جوتے ہوں تو وہ جوتوں کو اتار دے؛ اس لیے کہ یہ پیروں کے لیے راحت بخش ہے۔

یہ روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ارشادی ہے؛ کیوں کہ اس کی علت پیروں کے لیے راحت بتلائی گئی ہے اور کبھی یہ علت بیان کی جاتی ہے کہ اگر جوتا پہن کر کھانا کھائے گا تو لوگ خاص طور پر اس زمانے میں اس سے متنفر ہو جائیں گے۔

حاکمؒ نے "**المستدرک**" میں مرفوعا روایت نقل کی ہے:"**اخلعوا نعالكم عند الطعام؛ فإنها سنة جميلة**"[۳] کھانا کھاتے وقت جوتوں کو اتار دو اس لیے کہ یہ ایک سنت جمیلہ ہے۔اس روایت میں سنت سے مراد "**الطريقة المسلوكة في الدين**" ہے، سنت مؤکدہ مراد نہیں ہے، لہٰذا یہ حکم ارشادی ہی ہے۔

کس رنگ کا جوتا پہننا بہتر ہے؟

"**شرعة الإسلام**" میں ہے: پیلے رنگ کا جوتا پہننا چاہیے؛ اس لیے کہ خوشی کا باعث ہے۔[۴]

---

(۱)أخرجه الدارمي في مسنده، (بيروت: دار الكتاب العربي)، رقم الحديث:۲۰۸۰.

(۲)أخرجه الدارمي في مسنده (بيروت: دار الكتاب العربي)، رقم الحديث:۲۰۸۱.

(۳)أخرجه الحاكم في المستدرک، (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث:۵۴۹۶.

(۴)السمرقندي، إمام زاده، أبو المحاسن ركن الاسلام محمد بن أبي بكر، شرعة الإسلام (بيروت: دار الكتب العلمية)،ص:۵۶.

"بستان الفقيه" میں ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں: جو شخص پیلے رنگ کا جوتا پہنتا ہے تو وہ ہمیشہ خوش رہتا ہے، اللہ رب العزت کے فرمان: "بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ"[1] کی وجہ سے۔

اکثر فقہا نے پیلے رنگ کے جوتے پہننے کو مستحب کہا ہے اور حرمین شریفین میں بھی قدیم اور موجودہ زمانے میں اسی رنگ کے جوتوں کا معمول رہا ہے، بل کہ بعض حفاظ حدیث نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے پیلے رنگ کے تھے، فقہاء کرام نے تمام رنگوں میں سے پیلے رنگ کے مستحب ہونے پر اللہ رب العزت کے فرمان: ﴿إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ﴾[2] سے استدلال کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے اس گائے کے وصف اور رنگ کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ دیکھنے والوں کو بھلی اور اچھی معلوم ہوتی تھی، تو اس سے معلوم ہوا کہ پیلا رنگ آنکھوں کے لیے سرور کا باعث ہے؛ اسی وجہ سے پیلے خضاب کے کرنے کو مستحب کہا گیا ہے۔

لیکن اس استدلال پر اعتراض کیا گیا ہے کہ آیت میں لفظ "تسر" کی ضمیر "بقرة" کی طرف لوٹ رہی ہے نہ کہ لون کی طرف، تو آیت سے فقہا کا دعوی درست معلوم نہیں ہو رہا ہے؛ کیوں کہ فقہا کا دعوی یہ ہے کہ پیلا رنگ آنکھوں کو اچھا لگتا ہے، جب کہ آیت سے معلوم ہوا کہ گائے دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے، علامہ لکھنویؒ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ جس شخص کو عربی زبان سے ادنی سی سوجھ بوجھ بھی ہوگی تو وہ یہ اعتراض نہیں کر سکتا ہے؛ اس لیے کہ اللہ رب العزت نے گائے کی جو تعریف کی ہے کہ وہ آنکھوں کو بھلی اور اچھی معلوم ہوتی ہے تو وہ صرف اس کے پیلے رنگ کے ہونے کی وجہ سے کی ہے، مفسرین کا اس آیت کے تحت کیا گیا کلام بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں: "تسر الناظرين

---

(۱) سورة البقرة: ٦٩. (۲) أيضاً:

بحسنها و صفاء لونها" وہ گائے اپنی خوبصورتی اور اپنے صاف رنگ کی وجہ سے دیکھنے والوں کو اچھی لگتی تھی۔

لیکن اس باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے: "**من لبس نعلا صفراء قل همه**"[1] جس نے پیلا جوتا پہنا تو اس کا غم ہلکا ہوگا۔

لیکن محدثین نے اس حدیث پر کلام کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: اس کی سند مجہول ہے۔

حافظ شمس الدین سخاویؒ نے اپنی کتاب "**المقاصد الحسنة في الأحاديث المشتهرة على الألسنة**" میں لکھا ہے:

"اس حدیث کو عقیلیؒ، طبرانیؒ اور خطیبؒ نے "**لم يزل في سرور مادام لابسها**" کے الفاظ کے ساتھ ابن عباسؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے، ابن ابی حاتمؒ نے اس حدیث کو کذاب کہا ہے، علامہ زمخشری نے "**الكشاف**" میں اس حدیث کو لفظ اول کے ساتھ حضرت علیؓ کی جانب منسوب کیا ہے"۔[2]

"**المصنوع في بيان الموضوع**" میں ملا علی قاریؒ نے "**من لبس نعلا أصفر قل همه**" اور دوسری روایت "**لم يزل في سرور**" کو موضوع کہا ہے اور ان کا ماخذ فرمان خداوندی: ﴿**فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ**﴾[3] کو قرار دیا ہے۔

علامہ المقریؒ نے "**فتح المتعال**" میں امام ابوبکر بن نقاشؒ کے حوالے سے اللہ

---

(۱) أخرجه الطبراني في المعجم الكبير، (القاهرة: دار الحرمين)، رقم الحديث: ۳۲۰۲.

(۲) أخرجه السخاوي في المقاصد الحسنة في الأحاديث المشتهرة على الألسنة، (بيروت: دار الكتاب العربي)، رقم الحديث: ۱۱۷۴.

(۳) الملا القاري، علي بن سلطان محمد، المصنوع في معرفة الحديث الموضوع (بيروت: مؤسسة الرسالة)، ج۱، ص: ۱۵۱.

رب العزت کے قول: ﴿فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے:

"حدثنا الحسن بن عباس الرازي والحسين بن ادريس بهراة و يعقوب بن يوسف الضراب بقزوين قالوا: حدثنا سهل بن عثمان حدثنا أبو العذراء أخبرنا ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس رضى الله تعالى عنه قال: من لبس نعلا صفراء لم يزل في سرور مادام لابسها"

جو شخص پیلا جوتا پہنے تو جب تک وہ پہنا رہے گا برابر خوش رہے گا۔

علامہ نقاشؒ فرماتے ہیں: کہ میں نے مصر کے اندر ابوعبداللہ کسائی سے ابوالعذ راء کے تعلق سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا: وہ غیر معروف ہے۔ زبیر بن عوامؓ، ابن بکارؒ اور یحییٰ ابن کثیرؒ کا قول ہے: **"إياكم لبس هذه النعال السود؛ فإنها تورث النسيان"** کالے جوتے کے پہننے سے بچو؛ اس لیے کہ یہ نسیان کا سبب ہے۔ علامہ ابن نقاشؒ فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ ابوالعذ راء وہ فضل بن ربیع الاسدی ہے۔ امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبیؒ نے اپنی کتاب **"الميزان"** میں **"الفضل الربيع"** نام بتلایا ہے۔ ابن جریجؒ نے امام عقیلیؒ کے حوالے سے کہا ہے: اس حدیث کا کوئی متابع موجود نہیں ہے"۔ (۱)

پیلے رنگ کے جوتے پہننے کا صحیح حکم:

میرے نزدیک پیلے رنگ کا جوتا پہننا جائز ہے، زبیرؓ، ان کے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ اور یحییٰ ابن کثیرؒ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں، اسی طرح مصر اور شام کے قضاۃ بھی اس رنگ کے جوتے پہنتے تھے۔

ابن الجوزیؒ **"تلبيس إبليس"** میں لکھتے ہیں کہ پیلا جوتا پہننا مکروہ ہے، اور اس کو

---

(۱) التلمساني، المالكي، أبو العباس أحمد بن محمد، فتح المتعال في مدح خير النعال (القاهرة: دار القاضي عياض)، ص: ۱۴۱.

قاضیوں کے علاوہ پر محمول کیا جائے گا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک واضح تکلف ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ پیلے رنگ کا جوتا پہننے سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس کے لیے اللہ رب العزت کے فرمان: ''تسر الناظرین'' سے دلیل دی گئی ہے تو یہ دلیل درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ آیت میں ضمیر گائے (بقرۃ) کی طرف لوٹ رہی ہے نہ کہ لون کی طرف۔

رہی دلیل کے ابطال کی وضاحت تو دلیل دینے والے نے شوخ زرد رنگ کو خوشی کا سبب قرار دیا ہے اور اسی کو جوتے تک بڑھایا ہے، لیکن یہ سبب ایک اور حکم کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالی چاہتا تو اس گائے کو زرد کے علاوہ کسی اور رنگ میں پیدا کر دیتا تو بھی دیکھنے والوں کی خوشی اس سے کم نہ ہوتی، لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ دیکھنے والوں کی خوشی کی اصل وجہ گائے کی ذات ہے نہ کہ اس کا رنگ۔

یہ کہنا کہ ضمیر گائے (بقرۃ) کی طرف لوٹ رہی ہے لون (رنگ) کی طرف نہیں، تو یہ درست ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، اور اس کے برخلاف کسی نے کہا بھی نہیں ہے اور نہ ہی کہنا ممکن ہے، البتہ دلیل دینے والوں کے استدلال کی بنیاد ایک اور بات پر ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، لیکن جو بات دلیل کے ابطال کے سلسلے میں کہی گئی ہے وہ باطل ہے اور مفسرین کے کلام کے خلاف ہے؛ کیوں کہ مفسرین کے کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خوشی اور سرور کا سبب وہ گائے کی صفات مثلاً اس کا خالص زرد ہونا ہے نہ کہ گائے کی ذات، اور کیسے نہ ہو؟ کیوں کہ تمام اجسام اپنی ذات کے لحاظ سے تو برابر ہوتے ہیں، پس بنی اسرائیل کی اس گائے کی دیگر بقرات پر کوئی خصوصیت اور برتری نہیں کہ یہ کہنا صحیح ہو کہ گائے کی ذات اپنے دیکھنے والوں کو خوشی کا سامان فراہم کرتی تھی بلکہ خوشی اور سرور کا مدار گائے کا وصف تھا۔

زرد رنگ افضل ہے یا سفید؟

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ رنگ سفید ہے، بعض حضرات پیلے رنگ کے افضل ہونے کے قائل ہیں۔ علامہ عصام الدینؒ نے اس حدیث شریف پر: "**عليكم بالبياض من الثياب ليلبسها أحياؤكم و كفنوا فيها موتاكم ف'نها من خير ثيابكم**" [1] سفید کپڑوں کو لازم پکڑو، تم میں سے زندہ لوگوں کو انھیں پہننا چاہیے اور اپنے مردوں کو ان میں کفن دینا چاہیے کہ یہ تمہارے بہترین کپڑوں میں سے ہیں کلام کرتے ہوئے لکھا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "**من خير ثيابكم**" کہا ہے "**خير ثيابكم**" نہیں کہا ہے؛ تاکہ سفید رنگ کو پیلے رنگ پر فضیلت حاصل نہ ہو، کیوں کہ اس کی فضیلت معلوم ہے، پیلے رنگ کی فضیلت پر ابوداؤد کی روایت: "**لم يكن شيء أحب إلى رسول الله من الصفرة**" [2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پیلے رنگ سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں تھی، بھی دلالت کرتی ہے۔

مسلم شریف، ابوداؤد شریف اور نسائی شریف میں ہے: ابن عمرؓ سے کپڑے کو پیلے رنگ میں رنگنے کے تعلق سے معلوم کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رنگ میں کپڑوں کو رنگتے ہوئے دیکھا ہے۔ "**لما سئل ابن عمر عن صبغة ثيابه بالصفرة، قال: رأيت رسول الله يصبغها به**" [3] لیکن جمہور محدثین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ سفید رنگ عام رنگوں میں سب سے افضل ہے۔ **والله أعلم**

---

(۱) أخرجه النسائي في سننه، "باب الأمر بلبس البيض من الثياب" (حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية)، رقم الحديث: ۵۳۲۳.

(۲) أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب في المصبوغ بالصفرة" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۴۰۶۴.

(۳) أخرجه المسلم في صحيحه، "باب الاهلال من حيث تنبعث الراحلة" (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ۲۸۷۵.

أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب في وقت الإحرام" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۱۷۷۲.

جوتوں کو جھاڑنا:

جب جوتے پہننے کا ارادہ ہو تو ان کو جھاڑنا مستحب ہے؛ اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس میں کوئی اذیت رساں چیز ہو، "خزانة الرواية" وغیرہ میں خفین کے بیان میں اس کی صراحت کی گئی ہے، امام غزالیؒ نے بھی "إحياء العلوم" میں اس کی صراحت کی ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو علامہ طبرانیؒ نے "المعجم الأوسط" میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا أراد الحاجة أبعد في المشي فانطلق ذات يوم للحاجة، ثم توضأ، ولبس أحد خفيه، فجاء طائر أخضر، فأخذ الخف الآخر، فارتفع به ثم ألقاه، فخرج من الخف أسود، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: هذه كرامة أكرمني الله تعالى بها، اللهم إني أعوذ بك من شر من يمشي على بطنه وشر من يمشي على رجلين، وشر من يمشي على أربع"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو دور تشریف لے جاتے، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حاجت کے لیے گئے، پھر وضو فرمایا اور ایک موزہ پہن لیا، اتنے میں ایک سبز پرندہ آیا اور دوسرا موزہ لے کر اڑ گیا، پھر اس نے وہ موزہ زمین پر گرا دیا، تو اس میں سے ایک کالا سانپ نکل کر آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ رب العزت کی جانب سے میرے لیے ایک کرامت تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اس چیز کے شر سے، جو رینگ کر چلتی ہے اور اس چیز کے شر سے جو دو پیروں سے چلتی ہے اور اس چیز کے شر سے جو چار پیروں سے چلتی ہے۔ امام بیہقیؒ نے مذکورہ حدیث کو "الدعوات الكبير" میں نقل کیا ہے۔[2]

---

(۱) أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط (القاهرة: دار الحرمين)، رقم الحديث: ۹۳۰۴.

(۲) أخرجه البيهقي في الدعوات الكبير (الكويت: غراس للنشر والتوزيع)، رقم الحديث: ۳۶۳.

طبرانیؒ نے ''المعجم الکبیر'' میں حضرت ابوامامہؓ سے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے:

''دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم بخفيه ليلبسهما، فلبس أحدهما، ثم جاء غراب، فاحتمل الآخر، فرمى به، فخرجت منه حية، فقال: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فلا يلبس خفيه، حتى ينفضهما''[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزے پہننے کے لیے طلب کیے، پھر آپ نے ایک موزہ پہنا کہ اچانک ایک کوا آیا اور دوسرے موزے کو اٹھا کر زمین پر پھینک دیا، تو اس میں سے سانپ نکل آیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اپنے موزے اس وقت تک نہ پہنے جب تک انہیں جھاڑ نہ لے۔

درجہ حدیث:

علامہ مقریؒ نے ''فتح المتعال'' میں لکھا ہے: بعض حضرات نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور وہ حافظ دمیریؒ صاحب ''حیاۃ الحیوان'' ہیں؛ اس لیے کہ انہوں نے فرمایا: اس حدیث کی سند میں ہشام بن عمر ہے، ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں سے شمار کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔[2]

علامہ دمیریؒ کا مغالطہ:

علامہ دمیریؒ کی ''حیاۃ الحیوان'' کے باب ''الحیۃ'' میں ہے کہ جو شخص سفر یا حضر کا ارادہ کرے، اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ موزے کو الٹ کر سانپ، بچھو اور کانٹے وغیرہ موذی چیزوں سے جھاڑ لے اور اس پر انہوں نے حدیث أبی امامہ الباھلیؓ سے استدلال کیا ہے اور اس کے بارے میں کہا کہ وہ حدیث باب الغین کے لفظ ''الغراب'' کی بحث میں

---

(۱) أخرجه الطبراني في المعجم الكبير، (القاهرة: دار الحرمين)، رقم الحديث: ۷۵۰۳.

(۲) الدميري، كمال الدين، حياة الحيوان (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۱، ص: ۳۹۸.

ذکر کی جائے گی۔ اور یہاں نہ تو اس حدیث کو ذکر کیا اور نہ ہی اس کے مخرج کو، پھر لفظ ''الغراب'' کی بحث میں کہا: کہ یہ حدیث باب ''الحیة'' میں دارقطنیؒ کے حوالے سے گزر چکی ہے، اور وہ اس طرح ہے: ''عن أبي أمامة قال: دعا رسول اللّٰه بخفيه''، اور اس کی سند میں ہشام بن عمر ہے، تو معلوم ہوا کہ علامہ دمیریؒ نے اگرچہ باب ''الحیة'' میں اس کا صحیح حوالہ دیا؛ لیکن یہ کہنے میں غلطی کی ہے کہ ''الغراب'' کی بحث میں یہ حدیث گزر چکی ہے، جب کہ اس کا ذکر گزرا نہیں تھا اور نہ ہی اس کے مخرج کا تذکرہ ہوا تھا اور اسی بات نے علامہ مقریؒ کو غلط فہمی میں ڈال دیا، چناں چہ انہوں نے ''حیاة الحیوان'' کے باب ''الحیة'' کی طرف منسوب کر دیا، حالاں کہ وہاں تو اس کا ذکر ہی نہیں ہے۔

اسی طرح کی ایک غلطی علامہ دمیریؒ نے اپنی مذکورہ کتاب ''حیاة الحیوان'' کے لفظ ''تبشر'' کو ذکر کرتے ہوئے کی ہے، چناں چہ لفظ ''تبشر'' پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں: کہ یہ تاء، باء اور شین کے ضمہ کے ساتھ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تاء پر ضمہ، باء پر فتحہ اور شین پر ضمہ پڑھا جائے اور وہ ایک پرندہ ہے جس کو ''الصفارية'' کہا جاتا ہے، اس لفظ میں تاء زائد ہے اور اس پر مکمل گفتگو لفظ صاد کے بیان میں آئے گی، پھر لفظ صاد کے باب میں ''الصفارية'' پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں: کہ لفظ صاد کے ضمہ اور فاء کی تشدید کے ساتھ ہے اور یہ ایک ایسا پرندہ ہے جس کو ''التبشر'' کہا جاتا ہے، اس کا ذکر پہلے لفظ تاء کے باب میں گزر چکا ہے۔ پس علامہ دمیریؒ نے دونوں جگہ حوالے میں غلطی کی ہے اور ان کا قول: ''قد تقدم'' دونوں مواقع پر خطاء پر مبنی ہے۔

جھاڑنے کا حکم عمومی ہے:

یہ بات واضح رہے کہ جھاڑنے کا حکم موزے کے ساتھ خاص نہیں ہے، بل کہ ہر کپڑے کو جھاڑا جائے خواہ وہ موزہ ہو یا جوتا، کرتا ہو یا عمامہ یا ان کے علاوہ کوئی اور چیز ہو، اور فقہاء نے ''خف'' کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا ہے؛ کیوں کہ اسی پر نص وارد

ہوئی ہے۔

جوتا پہنتے وقت دوسروں کی مدد لینا:

جوتا پہننے کے لیے دوسروں کی مدد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ابن عساکرؒ نے ایک طویل سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتا پہننے کا ارادہ کیا، تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کو جوتا پہناؤں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دیدی، پھر جب وہ فارغ ہوگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ یہ شخص میری رضا حاصل کرنا چاہتا تھا تو اس سے راضی ہوجا۔ ابن عساکرؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث ثابت کے طریق سے غریب ہے اور بکیر بن محمد اس میں تنہا ہے۔

ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: میں بنوسلمہ کی مجلس میں تھا اور میں اس مجلس میں سب سے کم عمر تھا، تو وہ کہنے لگے: کہ ہم میں سے کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کے بارے میں دریافت کرے گا؟ یہ رمضان کی اکیسویں صبح کا واقعہ ہے، میں مجلس سے اٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز میں شامل ہوگیا، پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور فرمایا: اندر آجاؤ، میں اندر چلا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا لایا گیا اور میں کھانے کی کمی کے باعث اسے نہ کھانے کی کوشش کرتا رہا، پھر جب آپ کھانے سے فارغ ہوئے تو فرمایا: مجھے اپنا جوتا دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور میں بھی ساتھ ہولیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لگتا ہے تمہیں کوئی ضرورت ہے، میں نے عرض کیا: جی ہاں، بنوسلمہ کے لوگوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ شب قدر کے بارے میں معلوم کروں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کون سی رات ہے؟ میں نے کہا: بائیسویں رات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی

رات ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس پلٹے اور فرمایا: یا پھر کل کی رات ہوسکتی ہے، یعنی تیئسویں رات۔[1]

جوتا پہننے میں مدد کرنا:

جوتا پہننے میں مدد کرنا، وضو میں مدد کرنے کی طرح ہے اور فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ وضو میں مدد جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ مدد لینے والا تکبر، فخر یا اس قسم کی بری نیت سے محفوظ ہو، البتہ اس کو عادت نہ بنایا جائے، بل کہ کبھی کبھار ایسا کیا جائے، پس یہی طریقہ اور اصول جوتا پہننے میں بھی ہوگا۔

بعض روایات میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق آیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا اٹھاتے تھے، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز تھا؛ کیوں کہ وہ مذکورہ تمام چیزوں سے مامون اور محفوظ تھے، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنے جوتے خود ہی اٹھاتے اور خود ہی اپنے ہاتھوں سے تواضعا ان کی مرمت کرتے تھے، پس ہر شخص پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی لازم ہے۔

خنزیر کے بال کا حکم:

جوتوں اور چپلوں کو خنزیر کے بالوں سے سینا ضرورت کے وقت جائز ہے، لیکن خنزیر کے بالوں کو بیچنا جائز نہیں؛ کیوں کہ وہ نجس العین ہے، ہدایہ میں یہی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر خنزیر کا بال ماء قلیل میں گر جائے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ پانی کو ناپاک کر دیتا ہے، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے اور خنزیر کے بالوں کا بعض اوقات استعمال کیا جانا ان کی طہارت کی دلیل ہے، امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اس کے استعمال کا جواز ضرورت کی بناء پر ہے اور یہ ضرورت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب اسے استعمال کیا

---

(۱) أخرجه أبو داؤد في سننه، "باب في ليلة القدر" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۱۳۷۹.

جائے اور پانی میں گرنے کی حالت اس سے مختلف ہے۔[1]

''النهاية'' میں فقیہ ابواللیثؒ کے حوالے سے لکھا ہے: اگر موچیوں کو خنزیر کے بال خریدے بغیر دستیاب نہ ہو، تو ان کے لیے ضرورت کی بناء پر خریدنا جائز ہونا چاہیے اور ایسے جوتوں یا موزوں میں کہ جن میں خنزیر کے بال استعمال ہوتے ہوں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ وہ بال درہم کی مقدار سے زیادہ ہوں۔

کفارہ کے مسائل میں پانی کے ناپاک ہونے کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کا قول صحیح ہے؛ کیوں کہ اگر خنزیر کے بال پاک اور مباح الانتفاع ہوتے تو ان کی خرید وفروخت بھی جائز ہوتی جیسا کہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے، بیشتر سلف سے یہ بات بھی منقول ہے کہ وہ نہ تو خنزیر کے بالوں سے بنے ہوئے جوتے پہنتے تھے اور نہ موزے۔

خنزیر کے بال کی خرید وفروخت:

اپنے والد مرحوم نوراللہ مرقدہ سے ''ھدایہ'' پڑھنے کے دوران مصنفین کے قول: ''للضرورة'' پر اعتراض کیا کرتا تھا کہ جوتے اور دیگر چیزوں میں خنزیر کے بالوں سے سلائی کرنے میں کوئی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ کام خنزیر کے بالوں کے بغیر بھی ہوسکتا ہے، پھر اس کے بعد میں نے ''البحر الرائق'' میں ایک عبارت دیکھی جس سے اعتراض رفع ہوگیا، چناں چہ صاحب بحرالرائقؒ، صاحب کنزؒ کے قول: ''و ينتفع به'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: خنزیر کے بالوں سے انتفاع جائز ہے، لیکن ضرورت کے تحت، اور اگر کوئی مباح چیز متبادل کے طور پر موجود ہو تو پھر اس کی خرید وفروخت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر متبادل بالکل نہ ملے تو پھر موچیوں کے لیے ضرورت کی بناء پر اس کا خریدنا مکروہ نہیں ہے، تاہم اس کا بیچنا مکروہ ہوگا، جیسا کہ امام ابواللیثؒ کا اس باب میں فتوی ہے،

---

(۱) المرغيناني، برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر، الهداية (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، ج۳، ص:۴۶.

اورفقہاء کے کلام کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جب ضرورت نہ ہواور بغیر خنزیر کے بال سے سلائی ممکن ہو،تو اس کا استعمال ممنوع ہے، چناں چہ علامہ ابن سیرینؒ خنزیر کے بال سے سلے ہوئے موزے نہیں پہنتے تھے۔[1]

پس اس بنیاد پر نہ اس کو بیچنا جائز ہے اور نہ ہی اس سے فائدہ اٹھانا،اسی وجہ سے امام ابو یوسفؒ سے خنزیر کے بالوں سے فائدہ اٹھانے کو مکروہ قرار دینے کی روایت آئی ہے، سوائے اس صورت کے جب یہ کہا جائے کہ اس کے بغیر سلائی کرنا ممکن تو ہے،لیکن پر مشقت ہے۔

ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز ضرورت کی بناء پر جائز قرار دی جاتی ہے اس کا دائرہ ضرورت تک ہی محدود رہتا ہے اس لیے امام ابو یوسفؒ نے خنزیر کے بال پانی میں گرنے کی صورت میں پانی کو ناپاک قرار دیا ہے، جب کہ امام محمدؒ نے اسے پاک قرار دیا ہے اور صحیح قول امام ابو یوسفؒ کا ہے۔

خنزیر کے بالوں سے جوتا سینا:

فقہاء کا یہ قول: کہ موچی خنزیر کے بالوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے اگر چہ درہم کی مقدار سے زیادہ ہو، یہ ان کو پاک ماننے کی صورت میں ہے (امام محمدؒ کے قول کے مطابق) امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق درست نہیں ہے، پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہدایہ اور متقدمین کی کتابوں میں جو احکام مذکور ہیں وہ ان کے زمانوں اور شہروں کے ساتھ خاص ہیں، ہمارے زمانے اور ہمارے شہروں میں خنزیر کے بال سے سینے کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، چناں چہ درمختار میں متقدمین کے اس قول کو ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے: کہ شاید یہ حکم ان کے زمانے کا ہے ہمارے زمانے میں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے،

---

(۱)المصري، ابن نجيم، زين الدين بن إبراهيم، البحر الرائق (بيروت: دار الكتاب العربي)، ج۶،ص:۸۸.

لیکن بہتر یہ ہے کہ درمختار کے اس قول سے لفظ شاید بھی ختم کر دیا جائے؛ اس لیے کہ ان کی بات قطعی ہے، اس میں لیت اور لعل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[۱] "**فافهم ولا تزل**".

قبرستان میں جوتے پہن کر جانا:

بعض فقہاء جیسے صاحب "**عين العلم**" وغیرہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص زیارت قبور کے لیے قبرستان جانے کا ارادہ کرے تو مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے جوتے اتار کر ننگے پاؤں زیارت کرے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، نسائیؒ، طحاویؒ اور حاکمؒ نے حضرت بشیر بن خصاصیہؓ سے روایت کیا ہے:

"**عن بشير بن الخصاصية رضي اللّٰه تعالٰى عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رأى رجلا يمشي بين القبور، وعليه نعلان سبتيان، فقال له: يا صاحب السبتين! ألق نعليك**"[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو قبروں کے درمیان چل رہا تھا اور اس کے پاؤں میں چمڑے کے جوتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اے

---

(۱) الحصكفي، علاء الدين، الدر المختار (بيروت: دار الكتب العلمية)، ص:۴۱۶.

(۲) أخرجه النسائي في سننه، "باب كراهية المشى بين القبور في النعال" (حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية)، رقم الحديث:۲۰۴۸.

أخرجه ابن ماجه في سننه، "باب ما جاء في خلع النعلين" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۱۵۶۸.

أخرجه الطحاوي في شرح معاني الآثار، "باب المشى بين القبور بالنعال" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۲۹۰۷.

أخرجه الحاكم في المستدرک، "كتاب الجنائز" (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث:۱۳۸۰.

چمڑے کے جوتے والو! اپنے جوتے اتار دو۔

مذکورہ حدیث کو ابن حبانؒ نے "صحيح ابن حبان" میں ایک دوسرے طریق سے روایت کیا ہے، اور اس روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں:

"عن الحسن بن سفيان، عن بندار، عن عبد الرحمن بن مهدي، عن الأسود بن شيبان، عن خالد، عن بشير بن نهيك، عن بشير بن الخصاصية، و زاد: فنظر الرجل، فلما عرف رسول الله صلى الله عليه وسلم، خلع نعليه، ورمى بهما"[1]

عبدالرحمٰن ابن مہدیؒ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عثمانؒ کے ساتھ جنازے میں تھا، پھر جب ہم قبرستان پہنچے، تو میں نے ان کو یہ حدیث سنائی، تو انہوں نے کہا: یہ حدیث جید ہے اور اس کا راوی ثقہ ہے، اس کے بعد انہوں نے اپنے جوتے اتار دیے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ننگے پاؤں قبروں کی زیارت کرنا افضل ہے، لیکن اگر کوئی جوتے پہن کر زیارت کرے تو یہ بھی جائز ہے، صاحب "السراج الوهاج" اور ابن ملکؒ نے "مبارق الأزهار شرح مشارق الأنوار" میں بخاریؒ و مسلمؒ کی بواسطہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول روایات سے استدلال کرتے ہوئے اس کی صراحت کی ہے اور وہ روایت یہ ہے:

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: العبد إذا وضع في قبره، وذهب أصحابه، حتى أنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان، فاقعداه، فيقولان له: ما كنت تقول في هذا الرجل؟"[2]

---

(۱) أخرجه ابن حبان في صحيحه، "باب المريض و ما يتعلق به" (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث: ۳۱۷۰.

(۲) أخرجه البخاري في صحيحه، "باب الميت يسمع خفق النعال" (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث: ۱۳۳۸.

أخرجه المسلم في صحيحه، "باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه و إثبات عذاب القبر والتعوذ منه" (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ۷۳۹۵.

جب بندے کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے جدا ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں، پھر پوچھتے ہیں: تم اس شخص رسول اللہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ پس مؤمن بندہ کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، تو اس سے کہا جاتا ہے: اپنی جہنم کی جگہ دیکھو، اللہ نے اس کو جنت کی جگہ سے بدل دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس اس شخص کو ان دونوں مقامات جنت اور جہنم کو دکھایا جاتا ہے۔

علامہ طبرانیؒ نے "**المعجم الأوسط**" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

"**سشهدنا جنازة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما فرغ من دفنها، انصرف الناس، قال: إنه الآن يسمع خفق نعالهم، أتاه منكر ونكير**"[1]

ہم ایک جنازے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، پس جب اس کے دفن سے فارغ ہو گئے اور لوگ چلے گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ابھی بھی یہ لوگوں کے جوتوں کی آواز سن رہا ہے یہاں تک کہ منکر نکیر اس کے پاس آ گئے ہیں۔ اس حدیث کو علامہ طبرانیؒ نے "**المعجم الأوسط**" میں، ابن ابی شیبہؒ، ابن جریرؒ، ابن حبانؒ، ابن مردویہؒ، حاکمؒ اور بیہقیؒ نے روایت کیا ہے۔[2]

---

(۱) أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط (القاهرة: دار الحرمين)، رقم الحديث: ۲۶۳۰.

(۲) أخرجه الحاكم في المستدرک، "كتاب الجنائز" (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث: ۱۴۰۴.

أخرجه ابن حبان في صحيحه، "باب المريض و ما يتعلق به" (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث: ۳۱۱۳.

أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه، "باب المسألة في القبر" (رياض: مكتبة الرشد)، رقم الحديث: ۱۲۰۴۹.

علامہ قسطلانیؒ نے ''إرشاد الساري شرح صحيح البخاري'' میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے: کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں کے درمیان جوتے پہن کر چلنا جائز ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہا ہے اور اس سے منع نہیں فرمایا ہے، اور اگر یہ مکروہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وضاحت فرما دیتے، لیکن ایک احتمال یہ بھی ہے کہ مردے کے جوتوں کی آواز سننے کا مطلب یہ ہو کہ جب لوگ قبرستان سے باہر نکل جائیں تو ان کے جوتوں کی آواز مردوں تک آئے، تو اس وقت اس حدیث میں جوتے چپلوں کے ساتھ قبرستان میں چلنے کے جواز پر کوئی دلالت نہیں ہوگی، البتہ بشیر بن خصاصیہؓ کی حدیث کراہت پر دلالت کرتی ہے۔[1]

حدیث کے مفہوم کے مطابق جو احتمال ذکر کیا گیا ہے وہ بعید ہے، جیسا کہ دقیق نظر رکھنے والے پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے، اور یہ کہنا کہ حدیث بشیر کراہت پر دلالت کرتی ہے یہ بات بہت کمزور ہے؛ کیوں کہ اس میں کراہت کی کوئی دلیل نہیں اور ممکن ہے کہ وہ ندب اور ارشاد کے لیے ہو، نہ کہ کراہت کے لیے، بل کہ ایسا ممکن بھی نہیں؛ کیوں کہ یہ بات ثابت ہے، اور اپنی جگہ پر یہ بات بھی بیان ہو چکی ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے جوتے پہن کر نماز پڑھی ہے، اور جب نماز جیسی مہتم بالشان عبادت کو جوتے پہن کر ادا کرنا مکروہ نہیں ہے تو قبرستان کی زیارت جوتے پہن کر کرنا بطریق اولی مکروہ نہیں ہو سکتی ہے۔

ائمہ احناف میں سے شیخ الاسلام علامہ بدرالدین العینیؒ نے بخاری کی شرح ''عمدة القاري'' میں مذکورہ احادیث پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے:

''قبر کی زیارت کرتے وقت جوتے پہننا جائز ہے، اہل ظاہر کا

---

(١) المصري، القسطلاني، أحمد بن محمد بن أبي بكر، إرشاد الساري شرح صحيح البخاري (بيروت: دار ابن حزم)، ج٢، ص:٤٣٤.

کہنا ہے کہ یہ مکروہ ہے، یہی رائے یزید بن زریعؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی ہے، اور علامہ ابن حزمؒ نے "المحلی" میں کہا ہے: کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ قبروں کے درمیان بغیر بال والے چمڑے کے جوتے پہن کر چلے اور اگر ان جوتوں پر بال ہو یا ان میں سے ایک پر بال ہو تو پھر ان میں چلنا جائز ہے"۔ (۱)

"المغني" میں ہے:

"مقبرے میں داخل ہوتے وقت جوتے اتار لینا مستحب ہے، اور ان حضرات نے بشیر بن خصاصیہؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو طحاویؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ اور حاکمؒ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے، ابن حزمؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے"۔ (۲)

بشیرؓ کی والدہ کا نام "خصاصية" ہے، اور ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے، بعض نے بشیر بن نذیر اور بعض نے بشیر بن معبد بن شرحبیل کہا ہے، البتہ جمہور علما بشمول ابن سیرینؒ، نخعیؒ، ثوریؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، تابعین اور تبع تابعین میں سے جمہور فقہا کی رائے یہ ہے کہ قبروں کے درمیان جوتے پہن کر چلنا جائز ہے۔

ابن خصاصیہؓ کی اس حدیث کے جواب میں کہا گیا ہے: کہ جوتے اتارنے کا حکم قبروں کے احترام کے لیے دیا گیا تھا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ان کے متکبرانہ انداز سے چلنے کی وجہ سے تھا۔

---

(۱) الأندلسي، ابن حزم، أبو محمد علي بن أحمد، المحلى بالآثار (بيروت: دار الفكر)، ج۳، ص:۳۵۹.

(۲) الدمشقي، عبدالله بن أحمد بن محمد بن قدامه، المغني (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۲، ص:۴۲۰.

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں: یہ بات قرین قیاس ہے کہ جوتے پہننے کو اس لیے مکروہ سمجھا گیا؛ کیوں کہ یہ خوش حال اور آسودہ حال لوگوں کا فعل ہے، حالاں کہ قبرستان میں داخل ہوتے وقت تواضع اور خشوع اختیار کرنا پسندیدہ ہے۔

علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں صرف ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص جوتے پہن کر قبرستان میں داخل ہوا، اس سے نہ تو جواز ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی حرمت، البتہ اس سے اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جوتے اتارنے کا حکم قبروں کے احترام کے لیے دیا گیا؛ کیوں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر ٹیک لگانے اور ان پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

مزید برآں بعض روایات میں آیا ہے کہ صاحب قبر سے سوال کیا جا رہا تھا، پھر جب اس نے جوتوں کی آواز سنی تو وہ اس آواز کی طرف متوجہ ہو گیا اور قریب تھا کہ وہ فرشتوں کے جوابات نہ دینے سے ہلاک ہو جائے؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جوتوں کو اتار دو؛ تاکہ صاحب قبر کو عذاب نہ ہو، اس واقعے کو ابو عبداللہ ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے"۔ (۱)

امام طحاویؒ نے اپنی کتاب "شرح معاني الآثار" میں حدیث بشیرؓ کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتا پہن کر چلتے ہوئے دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جوتا پہننے والے! تیرا ناس ہو اپنے جوتے اتار دو۔ (۲)

بعض علما نے اس حدیث کی بنیاد پر قبروں کے درمیان چلنے کو مکروہ قرار دیا، لیکن دیگر

---

(۱) العيني، بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد، عمدة القاري (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، ج۸، ص:۱۴۳.

(۲) أخرجه الطحاوي في شرح معاني الآثار، "باب المشي بين القبور بالنعال" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۲۹۰۷.

حضرات کا نظریہ اس کے برعکس ہے وہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جوتا اتارنے کا حکم کسی اور وجہ سے دیا ہو، مثلاً اس وجہ سے کہ ان جوتوں میں کوئی گندگی تھی جو قبروں کو آلودہ کر سکتی تھی، جیسا کہ ماقبل میں یہ روایت گزری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتے پہن کر نماز پڑھی، پھر حکم خداوندی کی وجہ سے نماز کے دوران ہی انہیں اتار دیا، تو یہ جوتا اتارنا نماز میں جوتا پہننے کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتا، بل کہ جوتوں میں گندگی کی وجہ سے تھا۔

اسی طرح ایک اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قبروں کے درمیان جوتے پہن کر چلنا جائز ہے:

''حدثنا محمد عن أبي سلمة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا دفن المؤمن والذي نفسي بيده إنه ليسمع خفق نعالكم حين تولوا عنه مدبرين''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مومن دفن کیا جاتا ہے تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ تمہارے جوتوں کی آواز سنتا ہے، جب تم پیٹھ پھیر کر واپس جاتے ہو۔

پس یہ حدیث پہلی حدیث کے معارض ہے اگر اسے اس معنی پر محمول کیا جائے جو پہلے قول کے قائلین نے کہا ہے، لیکن ہم اس حدیث کو معارضہ پر محمول نہیں کرتے ہیں اور دونوں حدیثوں کو صحیح قرار دیتے ہیں، بایں معنی کہ حدیث بشیرؓ میں منع کی وجہ وہ گندگی تھی جو جوتوں پر لگی ہوئی تھی، تاکہ قبر آلودہ نہ ہوں، جیسا کہ قبروں پر قضائے حاجت کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور مذکورہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صاف جوتے پہن کر قبروں

---

(۱) أخرجه الطحاوي في شرح معاني الآثار، "باب المشي بين القبور بالنعال" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۲۹۰۷.

کے درمیان چلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف احادیث سے تواتر سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتے پہن کر نماز بھی ادا کی، اور جب جوتے گندے تھے تو انہیں اتار بھی دیا، چناں چہ جب مسجد میں جوتے پہن کر داخل ہونا اور نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، تو قبروں کے درمیان جوتے پہن کر چلنا بدرجہ اولی مکروہ نہیں ہوگا، یہی امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور علماء اور ائمہ کے نزدیک قبروں کی زیارت جوتے پہن کر کرنا نہ حرام ہے اور نہ مکروہ ہے، البتہ ننگے پاؤں زیارت کو مستحب سمجھنے کا قول ان حضرات کا ہے جو حدیث بشیر کو میت کے احترام پر محمول کرتے ہیں، اور اسی کی طرف ہمارے بعض علماء کا رجحان ہے، جب کہ امام طحاویؒ جیسے حضرات جو اس حدیث کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں گندگی یا میت کو اذیت پہنچنے کا امکان ہے تو ان کے نزدیک اس حدیث سے ننگے پاؤں زیارت کرنے کا استحباب ثابت نہیں ہوتا۔

ملا علی قاریؒ نے ''**شرح المناسک**'' میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض مشائخ نے قبروں کے درمیان ننگے پاؤں چلنے کو مستحب کہا ہے، حالاں کہ اس کے متعلق کوئی واضح حدیث وارد نہیں ہوئی ہے اور یہ حدیث: ''میت جوتوں کی آواز سنتی ہے'' تو یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زیادہ تر لوگ جوتے پہن کر چلتے تھے۔

قبروں کا احترام:

بعض علماء نے کہا ہے: اگر وہ میت، جس کی قبر کی زیارت کی جا رہی ہے، زائر کے لیے قابل احترام ہو تو زائر کو چاہیے کہ وہ زیارت کے وقت اپنے جوتے اتار دے، اس کی مثال وہ روایت ہے جو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے مسند میں روایت کی ہے:

''**عن عائشة رضي الله عنها قالت: كنت أدخل بيتي الذي فيه رسول الله**

صلى اللّٰه عليه وسلم، و إني واضع ثوبي، و أقول إنما هو زوجي وأبي، فلما دفن عمر معهم والله ما دخلته إلا وأنا مشدودة على ثيابي حياء من عمر"[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اپنے گھر میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں بلا جھجک رہتی تھی اور یہ کہتی تھی کہ یہ تو میرے شوہر اور میرے والد ہیں، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں دفن ہوئے تو اللہ کی قسم میں اس گھر میں حضرت عمرؓ سے شرم کی وجہ سے اس حال میں داخل ہوتی تھی کہ اپنے کپڑے ٹھیک کر لیتی تھی۔

یہ اثر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کسی شخص کا احترام موت کے بعد بھی ویسا ہی ہوگا جیسا زندگی میں ہوتا ہے، علامہ سیدؒ نے بھی مشکاۃ کی شرح میں یہی صراحت کی ہے، اسی بناء پر علماء نے کہا ہے: کہ زائر کو قبر کے اتنا ہی قریب جانا چاہیے جتنا زندگی میں اس کے قریب جاتا تھا، اور یہ بات یقینی ہے کہ جوتے اتارنا بھی ملاقات اور مجلس میں احترام کی علامت ہے، خاص طور پر ہمارے زمانے میں، اس لیے یہ عمل مناسب ہے اور یہی عمل اہل حرمین شریفین کا رہا ہے کہ وہ معلیٰ اور بقیع کے قبرستانوں میں ننگے پاؤں زیارت کرتے تھے۔

جوتے کا تسمہ ٹوٹنے پر انا للہ پڑھنا:

اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے یا پھٹ جائے تو جوتا پہننے والے کو "انا للہ و انا الیہ راجعون" پڑھنا چاہیے؛ کیوں کہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے: ﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾[2] آیت مذکورہ میں لفظ "مصیبة" پر جو تنوین داخل ہے وہ برائے تقلیل ہے، یعنی قلیل اور حقیر مصیبت پر بھی پڑھنا چاہیے، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا اور اسی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو حکم دیا تھا، نیز صحابہؓ اور تابعینؒ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے، پس ہمیں بھی ان کی پیروی کرنی چاہیے۔

---

(۱) أخرجه الإمام أحمد في مسنده (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث: ۲۵۶۲۰.

(۲) سورۃ البقرۃ: ۱۵۶.

علامہ طبرانیؒ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

"انقطع قبال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فاسترجع، فقالوا: مصيبة يا رسول الله! فقال: ما أصاب المؤمن مما يكره فهو مصيبة "[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا، تو انہوں نے "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھا، اس پر لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بھی مصیبت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کو جو بھی ناگوار چیز پیش آئے تو وہ ایک مصیبت ہے۔

"مسند بزار" میں ضعیف سند کے ساتھ اور بیہقیؒ نے "شعب الإيمان" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إذا انقطع شسع أحدكم فليسترجع، فإنها من المصائب" [2] جب تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اسے چاہیے کہ "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھے؛ کیوں کہ یہ بھی ایک مصیبت ہے۔

علامہ ابن ابی الدنیاؒ نے حضرت شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: "من انقطع شسعه فليقل إنا لله و إنا إليه راجعون" جب کسی کا تسمہ ٹوٹ جائے، تو وہ "إنا لله وإنا إليه راجعون" کہے۔

ابن ابی شیبہؒ اور ابن ابی الدنیاؒ نے حضرت عون بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چل رہے تھے کہ ان کا تسمہ ٹوٹ گیا، تو انہوں نے (إنا لله وإنا إليه راجعون) پڑھا، کسی نے کہا: کیا اس معمولی بات پر بھی استرجاع کرتے ہو؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ بھی مصیبت ہے۔

اسی طرح ابن سعدؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن شیبہؒ، ہنادؒ، عبداللہ بن احمدؒ نے "زوائد الزهد"

---

(۱) أخرجه الطبراني في المعجم الكبير (القاهرة: دار الحرمين)، رقم الحديث: ۷۷۳۰.

(۲) أخرجه البزار في مسنده (المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم)، رقم الحديث: ۳۴۷۵.

میں، ابن المنذرؒ، اور بیہقیؒ نے ''شعب الإيمان'' میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ان کا تسمہ ٹوٹ گیا تو انہوں نے ''إنا لله وإنا إليه راجعون'' کہا، کسی نے پوچھا: آپ کو کیا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا: میرا تسمہ ٹوٹ گیا اور جو چیز مجھے تکلیف دے، وہ میرے لیے مصیبت ہے۔[۱]

ابن ابی الدنیاؒ نے ''كتاب الأمل'' میں اور دیلمیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا:

''عن أنس رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى رجلا اتخذ قبالا من حديد، فقال: أما أنت فقد أطلت الأمل إن أحدكم إذا انقطع شسعه فقال إنا لله وإنا إليه راجعون، كان عليه من ربه الصلاة، والهدي، والرحمة، وذلك خير له من الدنيا''[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو لوہے کا تسمہ استعمال کرتے دیکھا تو فرمایا: تم نے لمبی امیدیں باندھ لی ہیں، جب تم میں سے کسی کا تسمہ ٹوٹے تو ''إنا لله وإنا إليه راجعون'' کہے، اس پر اللہ کی طرف سے رحمت اور ہدایت ملتی ہے اور یہ دنیا سے بہتر ہے۔

ابن سنیؒ نے ''عمل اليوم والليلة'' میں حضرت ابو درداء خولانیؒ سے نقل کیا ہے:

''بينا النبي صلى الله عليه وسلم يمشي هو و أصحابه إذا انقطع شسعه، فاسترجع، قالوا: أو مصيبة هذه؟ قال: نعم، كل شيء ساء المؤمن فهو مصيبة''[۳] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے صحابہ کے ساتھ چل رہے تھے کہ ان کا تسمہ ٹوٹ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''إنا لله وإنا إليه راجعون'' پڑھا، صحابہ

---

(۱) أخرجه ابن أبي شيبة في شعب الإيمان (بومبائی: مكتبة الرشد)، رقم الحديث: ۵۴۲۹.

(۲) أخرجه ابن أبي الدنيا في قصر الأمل (بيروت: دار ابن حزم)، رقم الحديث: ۶.

(۳) ابو أسامه، سليم بن عبد الهلالي، عجالة الراغب المتمنى في تخريج كتاب عمل اليوم و الليلة لابن السني (بيروت: دار ابن حزم)، ج۱، ص: ۴۰۷.

نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ بھی مصیبت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، ہر وہ چیز جو مومن کے لیے تکلیف دہ ہو وہ اس کے لیے مصیبت ہے۔

عورت کا چاندی کا جوتا پہننا:

عورت کے پاؤں میں اگر چاندی کے خالص دھاگے سے بنے ہوئے جوتے ہوں، تو ان کا استعمال اس کے لیے جائز ہے، فقیہ ابو حامد سے ''القنیہ'' میں یہی منقول ہے، لیکن عین الأئمہ الکرابیسیؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ عورت کے لیے چاندی کے جوتے کا استعمال مکروہ ہے، ''شرح الطحاوي'' میں ہے: جوتوں کی ایڑی میں چاندی کا استعمال امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ ہے، لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔[1]

شہر لکھنؤ میں چاندی کے مختلف انواع کے جوتوں کا استعمال:

یہ واقعہ ہندوستان کے شہر لکھنؤ میں پیش آیا، جہاں لوگ سونے اور چاندی کے نقش ونگار سے مزین جوتے استعمال کرتے ہیں، ان میں سے بعض لوگ جوتے کے اوپری حصے، کناروں اور ایڑی پر سونے اور چاندی کا ایسا نقش ونگار بناتے جو چار انگلیوں کی مقدار سے بھی متجاوز ہوتا، کچھ لوگ ان جوتوں کو زینت کے لیے اطلس اور دیگر ممنوعہ کپڑوں سے آراستہ کرتے ہیں، بلکہ بعض تو پورے جوتے کو اسی قسم کے کپڑے سے ڈھانپ دیتے ہیں، جسے وہ ''مخمل کا شانی'' کہتے ہیں اور جس کا استعمال ممنوع ہے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو جوتے کے اگلے حصے سے آخری حصے تک سونے اور چاندی کے نقش ونگار والے کپڑے سے مزین کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ جوتے کی اصلی سطح بالکل چھپ جاتی ہے، یہ جوتے ''پاپوشِ تاب بانی'' کے نام سے مشہور ہیں اور عوام کے درمیان ان کی گوناگوں اقسام اور شکلیں رائج ہیں۔

---

(۱) جماعة من العلماء، الفتاوى الهندية (بيروت: دار الفكر)، ج۵، ص:۳۳۴.

یہ صرف عام لوگوں تک محدود نہیں؛ بلکہ خاص افراد بھی اس کے استعمال میں مبتلا ہیں اور سبھی اسے حلال سمجھتے ہیں، جب اس بابت مولانا عبدالحي رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ جوتے زیور کے قبیل سے ہیں اور مردوں کے لیے ان کا استعمال حرام ہے، ان کا یہ فتوی بجا اور درست ہے، لیکن جوتے کو زیور کی قسم میں شمار کرنا صحیح نہیں۔ درست بات وہی ہے جو میرے والد گرامی، اور عصر حاضر کے دیگر اکابر علماء نے ارشاد فرمائی: کہ جوتے کا حکم کپڑوں کے حکم کے مطابق ہے۔

جوتے اور پوشاک کے احکام یکساں ہیں:

۱۲۸۲ھ میں میرے ایک عزیز نے از راہِ محبت مجھے ان جوتوں کے دو جوڑے ارسال کیے، مگر میں نے ان کے استعمال سے صاف انکار کر دیا اور کہا ان کا وہی حکم ہے جو دیگر ملبوسات کا ہے، اس پر ایک صاحب نے مجھ سے بہ طور اعتراض کہا کہ جوتا کپڑوں کے زمرے میں داخل نہیں، نہ ہمارے عرف میں اور نہ ہی کسی دوسرے کے عرف میں، میں نے کہا: خدا کی قسم! یہ دعویٰ نہایت صریح کذب اور محض لغو ہے، اس لیے کہ ہمارے عرف میں جوتے کو لباس ہی شمار کیا جاتا ہے، کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ فارسی میں اسے پاپوش کہا جاتا ہے؟ یعنی وہ پوشاک جو قدم کو ڈھانپے، فقہاء کے عرف میں بھی یہی متعارف ہے؛ چناں چہ وہ نماز کی شرائط میں یہ بیان کرتے ہیں کہ کپڑا پاک ہو، اور اس حکم میں جوتا بھی داخل ہے یعنی وہ پوشاک جو قدم کو ڈھانپے، فقہاء کے عرف میں بھی یہی متعارف ہے۔ محدثین اور فصحاء عرب کے عرف میں بھی جوتا ملبوس ہی کے قبیل سے مانا گیا ہے۔

غرض یہ کہ جوتے کا حکم وہی ہے جو دیگر پوشاکوں مثلاً قمیص اور عمامہ کا ہے۔ پس اگر جوتے میں سونا یا چاندی یا ریشم چار انگلیوں کے برابر یا اس سے کم مقدار میں لگا ہو، یا اس پر محض منتشر اور چھٹ پٹ نقش و نگار ہوں، تو اس کا پہننا جائز ہے، جیسا کہ فقہاء نے ٹوپی کے باب میں تصریح فرمائی ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ ہو یا جملہ سطح اسی سے آراستہ کر دی جائے

تو بہرصورت ناجائز ہے۔"و الله اعلم بالصواب، و عنده حسن الثواب"

کیا جنت اور جہنم میں بھی جوتے اور چپل ہوں گے؟

بعض اوقات یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اہلِ جنت اور اہلِ جہنم جوتے پہنیں گے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک، دونوں ہی جوتے پہنیں گے، جنت میں جوتوں کا ہونا بدیہی ہے، اس لیے کہ جنت وہ مقام ہے جہاں ہر وہ شئے میسر ہوگی جس کی بندہ خواہش کرے اور جسے پسند کرے، اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو علامہ دمیریؒ نے اپنی کتاب "حیاة الحیوان" میں امام محمد بن خزیمہؒ سے نقل کیا ہے: کہ جب امام احمد بن حنبلؒ کے وصال کی خبر مجھ تک پہنچی تو مجھے سخت صدمہ ہوا، اسی شب میں نے خواب میں ان کو دیکھا کہ نہایت وقار اور شان کے ساتھ ٹہل رہے ہیں، میں نے عرض کیا: اے ابوعبداللہ! یہ کیسی شان دار چال ہے؟ فرمایا: یہ دارالسلام (یعنی جنت) کے خدام کی چال ہے۔ میں نے دریافت کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ ارشاد ہوا: اللہ نے مجھے معاف فرما دیا، مجھے تاج پہنایا، اور میرے قدموں میں سونے کے جوتے ڈالے، پھر فرمایا: اے احمد! یہ سب اس لیے کہ تو نے یہ کہا تھا کہ "قرآن میرا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔"[1]

تحیۃ الوضو کی فضیلت:

اسی طرح حافظ عماد الدین اسماعیل ابن عمر الدمشقی المعروف ابن کثیرؒ نے "تاریخ بن کثیر" میں سنہ بیس ہجری کے واقعات میں نقل کیا ہے کہ بلال بن رباحؓ اور ان کی والدہ حمامہ کا انتقال ہوا، صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ سے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا اور میں نے اپنے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سنی، مجھے بتاؤ

---

(۱) الدميري، محمد بن موسى بن عيسى، حياة الحيوان (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۱، ص:۱۱۹.

تمہارا سب سے امید افزا عمل کیا ہے؟ بلالؓ نے کہا: میں جب بھی وضو کرتا ہوں، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی وجہ سے تمہیں یہ درجہ ملا۔ میں نے حضرت بلالؓ کا مختصر ذکر اپنی رسالہ "**خير الخبر في أذان خير البشر**" میں کیا ہے، لہٰذا اس کی طرف رجوع کریں۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جو ابن کثیرؒ نے ذکر کی، یہ حدیث صحیح بخاری میں "**باب صلاة الليل**" میں مروی ہے، بخاریؒ نے اسے باب "**مناقب بلال**" میں معلقاً بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح مسلمؒ نے "**كتاب الفضائل**" میں، نسائیؒ نے "**كتاب المناقب**" میں، اور امام ابن خزیمہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر محدثین نے بھی اسے روایت کیا ہے۔[1]

یہ حدیث جنت میں جوتے کے وجود پر دلیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "میں جنت میں داخل ہوا" کا مطلب یہ ہے کہ خواب میں داخل ہوا، جیسا کہ مسلمؒ کی روایت میں اس کی وضاحت ہے، مزید اس بات کی تائید ابن ابی حاتمؒ کی ایک روایت سے ہوتی ہے، ابو معاذ بصری سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**والذي نفسي بيده إنهم إذا خرجوا من قبورهم يستقبلون بنوق بيض لها أجنحة عليها رحال الذهب شرك نعالهم نور يتلالأ كل خطوة منها مد البصر**"[2] قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، جب لوگ اپنی قبروں سے نکلیں

---

(۱) أخرجه البخاري في صحيحه، "باب فضل الطهور بالليل و النهار و فضل الصلاة بعد الوضوء بالليل و النهار" (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث: ۱۱۴۹.

أخرجه المسلم في صحيحه، "باب من فضائل بلال" (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ۶۴۷۸.

أخرجه أحمد بن حنبل في مسنده (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث: ۹۶۷۲.

(۲) ابن أبي حاتم، أبو محمد عبد الرحمٰن بن محمد، تفسير القرآن لابن أبي حاتم (المملكة العربية السعودية: مكتبة نزار مصطفى)، ج۵، ص: ۱۴۸۰.

گے تو ان کا استقبال سفید اونٹ کریں گے جن کے پر ہوں گے، ان پر سونے کے کجاوے ہوں گے، اور ان کے جوتوں کے تسمے نور کے ہوں گے، جو چمکتے ہوں گے، اور ان کا ہر قدم حد نظر تک ہوگا۔

جہنم میں جوتے کا ثبوت:

جہاں تک جہنم میں جوتے کے وجود کا تعلق ہے، اس کا ثبوت اس حدیث سے ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**أهون أهل النار عذابا أبو طالب، وهو متنعل بنعلين يغلى منهما دماغه**''[1] اہل جہنم میں سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا ابو طالب ہوں گے، ان کے پاؤں میں آگ کے دو جوتے ہوں گے، جن کی گرمی سے ان کا دماغ کھول رہا ہوگا، یہ حدیث مسلمؒ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

اسی طرح مسلمؒ نے نعمان بن بشیرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**إن أهون النار عذابا من له نعلان وشراكان من نار، يغلى منهما دماغه**''[2] جہنم میں سب سے ہلکا عذاب اس شخص کو ہوگا جس کے پاؤں میں آگ کے جوتے اور تسمے ہوں گے، اور ان کی گرمی سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ حاکمؒ نے بھی اسی مفہوم کی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔[3]

امام بزارؒ نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے: ''**إن أهون أهل النار عذابا رجل متنعل بنعلين من نار يغلى منهما دماغه ومنه من في النار إلى صدره ومنهم من في النار إلى ترقوته ومنهم من انغمس فيها**''[4]

---

(۱) أخرجه المسلم في صحيحه، "باب أهون أهل النار عذابا" (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ۵۳۷.

(۲) أيضاً:، رقم الحديث: ۵۳۹.

(۳) أخرجه الحاكم في المستدرک (بيروت: دارالكتب العلمية)، رقم الحديث: ۸۷۲۹.

(۴) أخرجه البزار في مسنده (المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم)، رقم الحديث: ۸۳۶۳.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا وہ شخص ہوگا جس کے پاؤں میں آگ کے دو جوتے ہوں گے، جن کی گرمی سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا، ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کا جسم آگ میں سینے تک ہوگا، کچھ ایسے ہوں گے جن کا جسم آگ میں کندھوں تک ہوگا، اور کچھ ایسے ہوں گے جو پوری طرح آگ میں ڈوبے ہوں گے۔

امام احمدؒ اور بزارؒ نے بھی ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "**إن أهون أهل النار عذابا رجل متنعل بنعلين من نار يغلى منهما دماغه، ومنهم من في النار إلى كعبيه، ومنهم من في النار إلى ركبتيه، ومنهم من اغتمر فيها**"[1] جہنم میں سب سے ہلکے عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے پاؤں میں آگ کے دو جوتے ہوں گے، جن کی گرمی سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا، ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کا جسم آگ میں ٹخنوں تک ہوگا، کچھ کے گھٹنوں تک، اور کچھ ایسے ہوں گے جو پوری طرح آگ میں غرق ہوں گے۔ حافظ عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ علیہ نے "**الترغيب والترهيب**" میں لکھا ہے: اس حدیث کے تمام راوی صحیحین کے ہیں، اور یہ حدیث صحیح مسلم میں مختصر طور پر موجود ہے۔[2]

طبرانیؒ نے صحیح سند کے ساتھ اور ابن حبانؒ نے "**صحيح ابن حبان**" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے: "**إن أدنى أهل النار عذابًا الذي له نعلان من نار يغلى منهما دماغه**"[3] جہنم میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کے پاس آگ کے دو جوتے ہوں گے، جن کی گرمی سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

---

(۱) أخرجه أحمد بن حنبل في مسنده (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث: ۱۱۷۳۹.

(۲) المنذري، عبد العظيم بن عبد القوي، الترغيب والترهيب (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۴، ص: ۲۶۷.

(۳) أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط (القاهرة: دار الحرمين)، رقم الحديث: ۶۲۷۱. أخرجه ابن حبان في صحيحه (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث: ۷۴۷۲.

الباب الثانی

نعلینِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

یہ باب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارکین پر مشتمل ہے، اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارکین کا تذکرہ انتہائی جامع، مختصر اور عمدہ ترتیب و اسلوب کے ساتھ کیا گیا ہے۔اس باب میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارکہ کی تحقیق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان بابرکت عادات کا بیان ہے جو جوتے کے استعمال سے متعلق ہیں، ان میں سے بعض باتیں ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور بعض کا تذکرہ باقی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جوتے پہنتے تھے، اور یہ عمل سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت بھی رہا ہے۔ اسی لیے امام ابن العربیؒ نے فرمایا کہ ''جوتے دراصل انبیاء کی پوشاک ہیں''، جہاں تک عام لوگوں کے جوتا پہننے کا معاملہ ہے تو انھوں نے زمین کی دھول مٹی اور اس کی گندگی سے بچنے کے لیے جوتوں کا استعمال کیا ہے۔

''نعال سبتیہ'' کا بیان:

اس کی مزید وضاحت باب اول میں گزر چکی ہے، شاید آپ کو یاد ہو کہ ہم نے وہاں ایک حدیث ذکر کی تھی: ''**أمرت بالخاتم و النعل**''[1] مجھے انگوٹھی اور جوتے پہننے کا حکم دیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعال سبتیہ پہنتے تھے، سبتیہ: (سین کے کسرے، باء کے سکون کے ساتھ) ضبط کیا گیا ہے، یہ گائے کی دباغت شدہ کھال سے بنے جوتے ہوتے تھے؛ ان کو سبتیہ اس لیے کہا جاتا تھا کہ ان سے بال (چمڑے کے اوپر کا بال) صاف کر دیے گئے تھے، یعنی ان کو تراش دیا جاتا تھا، ایک قول یہ ہے کہ انہیں سبتیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دباغت کے ذریعے نرم ہو جاتے ہیں، جوتے کو سبتیہ کہنے کا مطلب اس کی اصل (چمڑے) کی طرف نسبت ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: فلاں شخص اون یا کپاس پہنتا ہے، یعنی ایسا لباس

---

(۱) المقدسي، محمد بن طاهر، ذخيرة الحفاظ (رياض: دار السلف)، ج۱، ص:۴۸۴.

جوان اشیاء سے بنا ہو، یہی بات ابن الأثیر جزریؒ نے اپنی کتاب ''النھایۃ''[1] میں لکھی ہے، اوران کا قول اس سلسلے میں سب سے زیادہ درست ہے۔

ابن التین کی کتاب میں مذکور ہے: سبتیہ ان جوتوں کو کہا جاتا تھا جو ''سبت'' نامی بازار میں تیار کیے جاتے تھے، کچھ لوگوں نے کہا: کہ سبتیہ (ضمہ کے ساتھ) ایک خاص قسم کی گھاس ہے جس سے چمڑے کو دباغت دی جاتی ہے اوراسی کی جانب منسوب کرتے سبتیہ کہا جاتا تھا، ان دونوں آراء کے مطابق سبتیہ (بفتح السین یا بضم السین) ہونا چاہیے، لیکن حدیث میں بکسر السین ہی وارد ہوا ہے، جیسا کہ بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداودؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے عبید بن جریج رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: عبد بن جریج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! میں نے آپ کو چار کام کرتے دیکھا ہے جو میں نے آپ کے کسی اور ساتھی کو کرتے نہیں دیکھا، ابن عمرؓ نے پوچھا: وہ کون سے اعمال ہیں؟ عبد بن جریج رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے دیکھا کہ آپ خانہ کعبہ کے صرف یمانی رکن کو چھوتے ہیں، نعال سبتیہ (بالوں سے صاف جوتے) پہنتے ہیں، زرد رنگ کا خضاب کرتے ہیں، مکہ مکرمہ میں چاند دیکھنے کے باوجود قربانی کے دن تک احرام نہیں باندھتے؟ ابن عمرؓ نے جواب دیا: رکن یمانی کی بات: تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ صرف رکن یمانی کو چھوتے تھے، اس لیے میں بھی ایسا کرتا ہوں، اور نعال سبتیہ کے بارے میں: تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ ایسے جوتے پہنتے تھے جن پر بال نہ ہوتے تھے اور وہ ان ہی کو پہن کر وضو کرتے تھے؛ اس لیے میں بھی انہیں پہننا پسند کرتا ہوں، اور زرد خضاب کے بارے میں: تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ زرد خضاب لگاتے تھے، اس لیے میں بھی اسے لگانا پسند کرتا ہوں، اور تمہارا

---

(۱) الجزري، عز الدين أبو الحسن علی بن محمد، النهاية في غريب الحديث والأثر (رياض: المكتب الإسلامي)، ص: ۵۵۳.

سوال احرام کے بارے میں: تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ تب تک احرام نہیں باندھتے تھے جب تک ان کی سواری روانہ نہ ہوجاتی۔[1] ترمذیؒ نے "الشمائل" میں اس حدیث کا ایک حصہ روایت کیا ہے۔

ابن عساکرؒ، بخاریؒ اور دیگر حضرات نے بھی عیسی بن طہمان سے روایت کی ہے:

"أخرج إلينا أنس بن مالك رضي الله عنه نعلين جرداوين لهما قبالان، قال عيسى: حدثني بعد ثابت عنه أنها كانتا نعلي رسول الله صلى الله عليه وسلم "[2] انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ہمارے سامنے دو سادہ جوتے نکالے جن میں دو تسمے تھے، عیسیٰ بن طہمان کہتے ہیں: مجھے ثابت نے بعد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے تھے۔

جرداوین کا مطلب:

حدیث میں جرداوین کا مطلب یہ ہے کہ دونوں جوتے بالوں سے بالکل خالی تھے۔ ابن الاثیرؒ نے کہا ہے کہ یہ لفظ "الأرض جرداء" (بے نبات زمین) سے مستعار لیا گیا ہے، یعنی ایسی زمین جس پر کوئی سبزہ نہ ہو، اسی طرح اس شخص کو اجرد کہا جاتا ہے جس کے

---

(۱) أخرجه البخاري في صحيحه، "باب النعال السبتية و غيرها" (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث: ۵۸۵۱.

أخرجه المسلم في صحيحه، "باب الإهلال من حيث تنبعث الراحلة" (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ۲۸۷۵.

أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب في وقت الاحرام" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۱۷۷۲.

أخرجه النسائي في سننه، "باب الوضوء في النعل" (حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية)، رقم الحديث: ۱۱۷.

(۲) أخرجه البخاري في صحيحه، "باب ما ذكر من درع النبي صلى الله عليه وسلم وعصاه وسيفه وقدحه وخاتمه" (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث: ۳۱۰۷.

بال نہ ہوں نیز ''ثوب جرد'' کا مطلب پرانا کپڑا بھی ہوتا ہے، جیسا کہ قاموس میں مذکور ہے، اسی لیے شرح السنۃ کے شارح نے اس حدیث میں جرداوین کی تشریح پرانے جوتے سے کی ہے۔

''قبالان'' کا مطلب:

حدیث میں ''لهما قبالان'' کا مطلب یہ ہے کہ دونوں جوتوں میں دو تسمے تھے، ہر جوتے کے لیے ایک تسمہ، حافظ زین الدین عراقیؒ نے ''شرح الشمائل'' میں ذکر کیا ہے کہ مصنف (ترمذی) نے یہ الفاظ بخاری کی پیروی کرتے ہوئے ذکر کیے ہیں، یعنی جوتوں میں تسمے تھے۔ لیکن ابوالشیخ نے اسی روایت کے ایک طریق میں الفاظ یوں نقل کیے ہیں: ''لیس لهما قبالان''، کہ جوتوں میں تسمے نہیں تھے جو نفی پر دلالت کرتے ہیں، علامہ عراقیؒ کی رائے یہ ہے کہ غالبا کاتب کی غلطی یا کسی راوی کا سہو ہے یہ غالبًا کاتب کی غلطی یا کسی راوی کا سہو ہے۔ اصل الفاظ غالبًا ''لسن'' (لام پر ضمہ، سین پر سکون اور آخر میں نون) تھا، اور لسن سے مراد ایسے جوتے ہیں جن کے تسمے لمبے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے وقت جوتے پہنے رہتے تھے، جیسا کہ پچھلی حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول ''ویتوضأ فیها'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوتے پہن کر وضو کرتے تھے) سے ثابت ہے، شارحین نے وضاحت کی ہے: کہ یہ اس لیے تھا کیوں کہ ان جوتوں میں بال نہیں ہوتے تھے، جس کی وجہ سے یہ وضو کے لیے موزوں اور صاف رہتے تھے، برخلاف ان جوتوں کے جن میں بال ہوتے ہیں، کیوں کہ ان میں میل کچیل بھرا رہتا ہے، اگرچہ ان میں وضو جائز ہے۔

امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ ''یتوضأ فیها'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے، اور پھر جوتے پہنتے تھے، لیکن غور کرنے والے کے لیے

اس مطلب کا صحیح نہیں ہونا واضح ہے، کیوں کہ ''یتوضأ فیھا'' کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے وقت جوتے پہنے رہتے تھے، نہ کہ وضو کے بعد جوتے پہنتے تھے، جیسا کہ نوویؒ نے ذکر کیا ہے۔[۱]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی وضو کرتے وقت جوتے پہنے ہوئے ہی پاؤں پر مسح بھی کر لیتے تھے، جیسا کہ کچھ روایات میں آیا ہے، بعض علماء نے اس پر عمل کرنے کو بھی جائز کہا ہے، اور اس کا جواب باب اول میں دیا جا چکا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباري'' میں لکھا ہے کہ ابوداؤدؒ اور حاکمؒ کی روایت میں یہ بات وارد ہوئی ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں پاؤں پر پانی ڈالا جب کہ آپ جوتے پہنے ہوئے تھے، پھر اپنے ہاتھوں سے پاؤں پر مسح کیا: ایک ہاتھ پاؤں کے اوپر اور دوسرا جوتے کے نیچے، ابن حجرؒ نے وضاحت کی کہ یہاں ''مسح'' کا مطلب پانی بہانا ہے؛ تاکہ عضو مکمل طور پر تر ہو جائے۔ جہاں تک ''تحت النعل'' (جوتے کے نیچے) کے ذکر کا تعلق ہے، اگر اس کو پاؤں کے لیے بطور استعارہ لیا جائے تو یہ بات قابل قبول ہے، ورنہ یہ روایت شاذ شمار ہوگی؛ کیوں کہ اس کا راوی ہشام بن سعد ہیں، جن کی منفرد روایات حجت نہیں ہے، خاص طور پر جب وہ دیگر روایات کے خلاف ہوں۔[۲]

''شرح معاني الآثار'' میں ہے:

''حماد نے عطاء سے اور انھوں نے اوس بن ابی اوسؓ سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد کو جوتوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا، میں نے کہا: کیا آپ جوتوں پر مسح کرتے ہیں؟ تو

---

(۱) النووي، يحى بن شرف، المنهاج في شرح صحيح مسلم (رياض: دار السلام)، ج۶، ص:۵۰۶.

(۲) العسقلاني، أبو الفضل أحمد بن على بن محمد، فتح الباري فى شرح البخاري (بيروت: دار المعرفة)، ج۱، ص:۹۷.

انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تھا، محمد بن شریک نے بھی یعلی بن عطا سے روایت کی ہے، جو اَوس بن اَبی اَوسؒ سے روایت کرتے ہیں: کہ میں اپنے والد کے ساتھ سفر میں تھا اور ہم کسی قبائلی آبادی کے پانی کے قریب رکے، پھر میرے والد نے پیشاب کیا، وضو کی اور جوتوں پر مسح کیا، میں نے کہا: آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ تو میرے والد نے جواب دیا: میں تم کو اس سے زیادہ نہیں بتا سکتا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھا ہے۔ امام ابو جعفر الطحاویؒ نے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے جوتوں پر مسح کرنے کو موزوں پر مسح کے جواز پر قیاس کر کے جائز سمجھا اور اس کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا:

"حدثنا أبو بكرة، ثنا أبو داود نا شعبة عن سلمة بن كهيل عن رجل أنه رأى عليا بال قائما، ثم دعا بماء، فتوضأ ومسح على نعليه، ثم دخل المسجد فخلع نعليه، ثم صلى"[1]

کسی شخص کے حوالے سے حضرت علی کے بارے میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا، پھر یہ دیکھا کہ آپ نے پانی منگوایا، وضو کیا اور جوتوں پر مسح کیا، پھر جوتے اتار کر مسجد میں داخل ہوئے اور نماز پڑھی۔ البتہ بعض حضرات نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے جوتوں پر مسح کو ناجائز کہا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتوں کے نیچے موزے پہنے ہوں اور مسح ان موزوں پر کیا ہو، نہ کہ جوتوں پر، انھوں نے یہ بھی کہا کہ جوتوں پر مسح کرنا ایک اضافی عمل تھا۔ نیز حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ سے روایت ہے:

---

(۱) أخرجه الطحاوي في شرح معاني الآثار، "باب البول قائما" (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ۶۳۱۳.

’’أن رسول الله ﷺ مسح على جوربيه ونعليه. حدثنا أبوبكرة، نا أبو عاصم عن الثورى عن أبي فليس عن هذيل عن المغيرة بن شعبة مثله، فأخبر أبو موسى والمغيرة عن المسح النبوي على ما كان منه، وقد روى عن ابن عمر في ذلك وجه آخر، وهو ما حدثنا ابن أبي داود نا أحمد نا ابن أبي فديك عن ابن أبي ذئب عن نافع عن ابن عمر كان إذا توضأ ونعلاه فى قدميه مسح ظهور قدميه بيديه، ويقول: كان رسول الله ﷺ يفعل هكذا، فأخبر ابن عمر أن رسول الله ﷺ قد كان في وقت ما كان يمسح على نعليه يمسح على قدميه، فقد يحتمل أن يكون المسح على قدميه هو الغرض، وما مسح على نعليه كان فضلا‘‘[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزوں اور جوتوں پر مسح کیا، اور ابن عمرؓ سے بھی ایک اور روایت منقول ہے جس میں ذکر ہے کہ جب ابن عمرؓ وضو کرتے اور ان کے جوتے ان کے پیروں میں ہوتے تو وہ اپنے پیروں کے اوپر مسح کرتے، اور کہتے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عمرؓ نے بھی کبھی جوتوں پر مسح کیا تھا، مگر پیروں پر ان کا مسح کرنا بنیادی مقصد تھا، اور جوتوں پر مسح ایک اضافی عمل تھا۔ نیز یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر موزے پھٹ جائیں اور پاؤں ظاہر ہو جائیں تو ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح جوتوں پر مسح کرنا بھی ناجائز ہوگا؛ کیوں کہ وہ پاؤں کو نہیں چھپاتے‘‘۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا: یہ استدلال درست ہے؛ لیکن اس میں نقل کردہ اجماع پر اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) أخرجه الطحاوي في شرح معاني الآثار، ’’باب المسح على النعلين‘‘ (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ٦١٦.

علامہ عینیؒ نے ''عمدة القاري'' میں جواب دیا ہے کہ قلیل تعداد کی مخالفت اجماع کو ضرر نہیں پہنچاتی ہے اور جمہور کے نزدیک اجماع کے لیے تواتر کی شرط نہیں ہے۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جوتے پہن کر نماز پڑھتے اور کبھی بغیر جوتوں کے (جیسا کہ پہلے تفصیل بیان ہو چکا ہے)

ابونعیمؒ نے ''حلية الأولياء'' میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میرے قبول اسلام کا آغاز اس وقت ہوا جب میں ایک رات خانہ کعبہ کے پردوں کے اندر داخل ہوا، اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حجرے میں داخل ہو کر جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھنے لگے، جب نماز ختم کی اور واپس جانے لگے تو میں ان کے پیچھے چل پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے کہا: عمر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! دن اور رات میں مجھے کیوں نہیں چھوڑتے؟ مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ میرے لیے بددعا نہ کر دیں، تو میں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔[۲]

دائیں طرف سے جوتا پہننے کا فائدہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کرتے وقت بھی جوتے پہنا کرتے تھے اور آپ کو ہر کام میں دائیں طرف سے آغاز کرنا پسند تھا، حتیٰ کہ جوتے پہننے میں بھی۔ ابن جوزیؒ نے اس کا طبی فائدہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو شخص جوتا پہننے میں دائیں سے آغاز کرے اور اتارنے میں بائیں سے، وہ طحال (تلی) کے درد سے محفوظ رہتا ہے۔

---

(۱) العيني، بدر الدين ابن محمد محمود، عمدة القاري شرح صحيح البخاري (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، ج۳، ص:۲۵.

(۲) الأصبهاني، أبو نعيم، حلية الأولياء (بيروت: دار الفكر)، ج۱، ص:۱۱۹.

گفتگو کرتے اور سوتے وقت جوتے اتارنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کرتے وقت جوتے اتار دیتے تھے، کیوں کہ یہ حسن معاشرت کے زمرے میں آتا ہے، اور سوتے وقت بھی جوتے اتار دیتے تھے۔ جیسا کہ امام مسلمؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

"عن عائشة قالت: لما كانت ليلتي أتى رسول الله عندى فوضع ردائه وخلع نعليه، فوضعهما عند رجليه، وبسط طرف إزاره على فراشه، فاضطجع فلم يلبث إلا ريث ما ظن أن قد رقدت، فأخذ ردائه رويدا وانتعل رويدا، وفتح الباب رويدا، فخرج فجعلت درعي في رأسي، وتقنعت إزاري، ثم انطلقت على إثره حتى جاء البقيع، الحديث بطوله"[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری باری کی رات میں تشریف لائے، آپ نے اپنی چادر اتاری، پھر جوتے اتارے اور پاؤں کے قریب رکھ لیے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر کا ایک حصہ بستر پر پھیلا کر لیٹ گئے، پھر جب آپ کو لگا کہ میں سو چکی ہوں، تو آپ نے آہستہ سے چادر اٹھائی، جوتے پہنے اور دروازہ آہستہ سے کھول کر باہر نکل گئے، میں اپنی اوڑھنی اپنے سر پر پہن کر آپ کے پیچھے چل پڑی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع (قبرستان) پہنچے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کھڑے ہو کر اور کبھی بیٹھ کر جوتے پہنتے، جب جوتے کا تسمہ ٹوٹ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوتا پہن کر بھی چلتے تھے، اور یہ ناپسند کرتے تھے کہ جوتے سے آپ کے پاؤں کا کچھ حصہ نظر آئے، جیسا کہ یہ بات امام احمدؒ نے اپنی کتاب

---

(۱) أخرجه المسلم في صحيحه، "باب ما يقال عند دخول القبر" (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث: ۲۳۰۱.

''الزهد'' اورابن عساکرؒ نے زیاد بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔[۱]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کی تعداد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی دو جوتوں کا جوڑا (ایک وقت میں دو جوڑے) نہیں رکھا، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''**ما رفع رسول الله صلى الله عليه وسلم قط غداء العشاء، ولا عشاء الغداء، ولا اتخذ من شيء زوجين، ولا قميصين ولا ردائين ولا إزارين، ولا زوجين من النعال**'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی شام کا کھانا صبح کے لیے یا صبح کا کھانا شام کے لیے بچا کر نہیں رکھا، اور نہ ہی دو کپڑے، دو چادریں، دو تہبند، یا دو جوتے ایک وقت میں رکھے۔ یہ روایت سمہودی نے ''الوفا'' میں بیان کی ہے، لیکن اس کی سند کمزور ہے، جیسا کہ بعض محدثین نے وضاحت کی ہے۔ تاہم سیرت کی دیگر کتابوں میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو جوتے اور آٹھ جوڑے خفین کے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کی کیفیت:

''**سيرة ابن سيد الناس**'' کے مطابق: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیبر سے حاصل کردہ چار جوڑے خفین، دو سبتی (چمڑے کے) جوتے، اور ایک سیاہ موزہ تھا جو نجاشی کے یہاں سے تحفے میں آیا تھا۔ لیکن بعض محدثین نے ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جوتے کا جوڑا ایک تہ والا تھا اور ایک جوڑا کئی تہوں پر مشتمل تھا، جیسا کہ متعدد روایات سے ثابت ہے اور زرقانیؒ نے اس بات کو ثابت مانا ہے۔[۲]

---

(۱) أخرجه أحمد بن حنبل في مسنده (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث: ۱۱۳۷۸.

(۲) اليعمري، محمد بن محمد بن محمد بن سيد الناس، عيون الأثر في فنون المغازي والشمائل والسير (بيروت: دار ابن كثير)، ج۲، ص: ۳۸۲.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرمت شدہ یا سلائی والے (مخصوف) جوتے بھی پہنتے اور ان میں نماز بھی پڑھتے تھے، جیسا کہ ابن عساکرؒ، نسائیؒ، ابونعیمؒ، ترمذیؒ، اور احمدؒ نے مختلف کتب میں بیان کیا ہے، اور ''مخصوف'' کا مطلب: وہ جوتے جن میں کسی چیز کو کسی دوسرے سے جوڑا گیا ہو، یعنی جوتے کو سلا گیا ہو یا اس کی مرمت کی گئی ہو۔[۱] بعض علماء نے ذکر کیا ہے: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے ایک تہہ والے تھے، اور عرب اسے باعث فخر سمجھتے تھے اور اسے بادشاہوں کا لباس قرار دیتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: ''**يا خير من يمشي بنعل فرد**'' میں یہی مراد ہے، لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک تہہ والے اور زیادہ تہوں والے دونوں طرح کے جوتے تھے، جیسا کہ ''**شرح المواهب**'' میں ذکر کیا گیا ہے۔[۲]

تنبیہ:

یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرمت کیے ہوئے جوتے کیسے استعمال کیے؟ جب کہ حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**إذا تخففت أمتي بالخفاف ذات المناقب الرجال والنساء وخصفوا نعالهم، تخلى الله عنهم**'' جب میری امت کے مرد اور عورتیں ایسے چمڑے کے جوتے استعمال کریں گے جن میں زینت کی علامات ہوں، اور مرمت شدہ جوتے پہننے لگیں گے تو اللہ ان سے بے زار ہو جائے گا۔ اس حدیث کو طبرانی نے ''**المعجم الكبير**'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔[۳] یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ جوتے کی مرمت کرنا ایک برا عمل ہے، جو اللہ کے غضب کا سبب بن سکتا ہے۔

---

(۱) أخرجه ابن ماجه في سننه، "باب خبز الشعير" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۳۳۴۸.

(۲) قسطلاني، أحمد بن محمد، المواهب اللدنية (بيروت: دار الفكر)، ج ۵، ص: ۳۴۳.

(۳) أخرجه الطبراني في المعجم الكبير (القاهرة: دار الحرمين)، رقم الحديث: ۱۱۲۹۵.

اس اعتراض کا جواب علامہ عبدالرؤوف مناوی شافعیؒ کی "شرح الجامع الصغیر" میں ہے:

انھوں نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: "إذا تخففت أمتي بالخفاف ذات المناقب: أي لبست الخفاف المتلونة، أو البيض المزينة، أو المجعول عليها رقاع زينة"[1] جب میری امت خفاف ذات المناقب (زینت والے جوتے) پہنے گی، یعنی رنگین، سفید یا سجے ہوئے جوتے، یا ایسے جوتے جن میں زینت کے لیے اونچائی (زینتی تہیں) لگائی گئی ہو، قاموس میں "نقب الخف" کا مطلب ہے: جوتے کی اونچائی کو بڑھانا، مرد اور عورت دونوں اس میں شامل ہیں۔ "خصفوا نعالهم" قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ خصفت (مؤنث کا صیغہ) ہوتا، "أي: خصفت الأمة"، لیکن مذکر کے اصل ہونے کی وجہ سے اس کو غلبہ دے دیا جاتا ہے۔ "تخلى الله عنهم" کا مطلب ہے کہ اللہ ان کی حفاظت چھوڑ دے گا اور ان سے اعراض کرے گا، اور جس سے اللہ اعراض کرتا ہے تو وہ ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔ خف (چمڑے کے جوتے) کی اصل یہ ہے کہ نعل کو اونچا یا کسی طرح زینت سے مزین کیا جائے، اور مراد یہ ہے کہ جوتوں کو زینت اختیار کرنے کے لیے چمک دار اور رنگین بنایا جائے۔ امام راغبؒ کے بقول "الأخصف" اور "الخصيف" کا مطلب زرق برزق طعام ہے۔ "المیزان" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "خصال آل قارون لبس الخفاف الملونة، وجر نعال السيوف، وكان أحدهم لا ينظر إلى وجه خادمه تكبراً"[2] کہ آلِ قارون کی خصوصیات میں سے ایک یہ تھی کہ وہ رنگین جوتے پہنتے تھے، تلواروں کے دستے گھسیٹتے تھے، اور اپنے خادم کے

(۱) الذهبي، شمس الدين محمد بن أحمد، ميزان الاعتدال (بيروت: دار المعرفة)، ج۳، ص:۴۵.
(۲) المناوي، عبد الرؤوف، فيض القدير شرح الجامع الصغير من أحاديث البشير و النذير (مصر: المكتبة التجارية)، ج۱، ص:۳۱۵.

چہرے کی طرف تکبر کی وجہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ممکن ہے کہ اس حدیث میں خفاف (چمڑے کے جوتے) سے اشارہ اسی قسم کے جوتوں کی طرف ہو۔اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ''نعال'' سے مراد ''نعال السیوف'' ہے،اور حدیث میں زینت والے چمڑے کے جوتوں سے منع کیا گیا ہے، جو بعد میں بدعت کے طور پر رائج ہوئے، اور ان سے خبردار کیا گیا ہے کہ یہ اللہ کے غضب اور عذاب کی نشانی ہیں۔ جہاں تک ایسے موزے کا تعلق ہے جو زینت سے خالی ہو،اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی کئی موزے تھے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انہیں حضر وسفر میں استعمال کرتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتے کی مرمت خود کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تمام کام انجام دیتے تھے جو عام طور پر مرد اپنے گھروں میں کرتے ہیں، جیسے کپڑے سلنا اور بکری کا دودھ دوہنا، اسے امام احمدؒ نے اپنی ''مسند'' میں، ابن عساکرؒ اور ابن حبانؒ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔[1]

حافظ زین الدین العراقیؒ نے ''ألفية السيرة'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا ہے:

يخصف نعله، يخيط ثوبه
يحلب شاته، و لن يعيبه
يخدم في مهنة أهله كما
يقطع السكين لحما قدما[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتے خود مرمت کرتے، اپنے کپڑے خود سیتے، اپنی

(۱)أخرجه أحمد بن حنبل في مسنده (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث:۲۶۲۳۹.
(۲)العراقي، عبد الرحيم، ألفية السيرة (بيروت: دار المنهاج)،ص:۸۳.

بکری کا دودھ دوہتے، اوراس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے، گھر کے کاموں میں اپنے اہل خانہ کی مدد کرتے، اور خود ہی گوشت کاٹنے کے لیے چھری چلاتے تھے۔

حافظ ابوعبداللہ ابن مندہؒ نے اپنی کتاب ''الصحابة'' میں عیسیٰ بن المغیرہ بصری کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**من حلب شاته، ورفع قميصه، وخصف نعله و أكل خادمه، وحمل من سوقه فقد برء من الكبر**''[1] جو شخص اپنی بکری کا دودھ دوہے، اپنا کرتا اوپر کرے، اپنے جوتے کی مرمت کرے، اپنے خادم کے ساتھ کھانا کھائے، اور بازار سے خریدی ہوئی چیز خود اٹھائے، وہ تکبر سے بری ہوگیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب ''**الأصابة في أحوال الصحابة**'' میں اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ اس کی سند ضعیف ہے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے میں دو تسمے تھے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جوتے کے لیے دو تسمے ہوتے تھے، ''قبال'' کا مطلب ہے وہ تسمہ جو درمیانی انگلی اور اس کے برابر والی انگلی کے درمیان ہوتا ہے، جیسا کہ ''قاموس'' میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں متعدد روایات آئی ہیں، جنھیں ابن عساکرؒ، ترمذیؒ، بخاریؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، اور ترمذیؒ سمیت دیگر محدثین نے نقل کیا ہے۔[3]

---

(۱) أخرجه السيوطي في جامع الأحاديث (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث : ۲۲۰۵۷.

(۲) العسقلاني، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد، الإصابة في تمييز الصحابة (بيروت: دار الكتب العلمية)، ج۱، ص:۵۷۳.

(۳) أخرجه البخاري في صحيحه، "باب قبالان في نعل و من رأى قبالا واحدا واسعا" (القاهرة: دارالشعب)، رقم الحديث:۵۸۵۷.

أخرجه أبوداؤد في سننه، "باب في الانتعال" (القاهرة: دارالشعب)، رقم الحديث:۴۱۳۴.

ابن سعدؒ نے اپنی کتاب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ محمد بن علی نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا نکال کر دکھایا، اور میں نے دیکھا کہ اس پر تسمے لگے ہوئے تھے اور پچھلی جانب چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ اسی طرح، ہشام بن عروہ نے روایت کیا: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا دیکھا جو باریک خصر والا تھا، اس پر پیوند لگا ہوا تھا اور اس کے دو تسمے تھے۔ (۱)

علامہ زرقانیؒ نے "شرح المواهب" میں لکھا ہے: "المخصرة" اُس جوتے کو کہتے ہیں جس کا درمیانی حصہ باریک ہو، یا وہ جس کے دونوں اطراف تراش دیے گئے ہوں۔ اور "مُلسَن" وہ جوتا ہے جس میں درازی اور نرمی پائی جائے، گویا زبان کی ہیئت پر ہو، بعض نے کہا ہے: وہ جوتا جس میں زبان بنائی گئی ہو، اور یہ وہی ابھری ہوئی صورت ہے جو جوتے کے سامنے کے حصے میں ہوتی ہے، جیسا کہ "النهايه" میں ذکر کیا گیا ہے۔ (۲)

علامہ عراقیؒ نے "شرح الشمائل" میں بیان کیا ہے: کہ ابوالشیخ کی وہ روایت جو یزید بن ابی زیاد سے منقول ہے: "رأيت نعله صلى الله عليه وسلم مخصرة ملسنة ليس لها عقب" (۳) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا دیکھا، جو باریک خصر والا تھا، اور اس پر تسمہ لگا ہوا تھا، لیکن اس کے پچھلے حصے (عقب) پر کچھ نہ تھا۔ جب کہ ہشام بن عروہ کی روایت میں آیا ہے: "رأيت نعل رسول الله صلى الله عليه وسلم مخصرة معقبة لسنة لها قبالان" (۴) جوتے کے عقب پر کچھ موجود تھا، تو

---

(۱) البصري، محمد بن سعد، الطبقات الكبرى (بيروت: دار صادر)، ج۱، ص:۴۷۸.

(۲) قسطلاني، أحمد بن محمد، المواهب اللدنية (بيروت: دارالفكر)، ج۵، ص:۳۴۳.

(۳) العيني، بدر الدين، محمود بن أحمد، عمدة القاري (بيروت: دار احياء التراث العربي)، ج۲۲، ص:۲۷.

(۴) البصري، محمد بن سعد، الطبقات الكبري (بيروت: دار صادر)، ج۱، ص:۴۷۸.

دونوں روایات میں یوں تطبیق دی جاسکتی ہے کہ یزید بن ابی زیاد نے یہ نہیں کہا کہ جوتے کا عقب بالکل موجود نہیں تھا، بل کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ عقب جوتے کے باہر نمایاں نہیں تھا، اور ہشام نے "معقبة" (عقب والا) کہہ کر یہ ثابت کیا کہ جوتے میں تسمے تھے جو پاؤں کو مضبوطی سے تھامتے تھے، جیسا کہ اکثر جوتوں میں ہوتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ جوتے میں عقب موجود تھا، لیکن وہ جوتے کے اندرونی حصے میں تھا، خارج میں نہیں تھا۔

طبرانیؒ اور بزارؒ نے صحیح سند کے ساتھ، اور ترمذیؒ نے "شمائل" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: "**كان لنعل رسول الله صلى الله عليه وسلم قبالان، و لنعل أبي بكر قبالان، و لنعل عمر قبالان، و أول من عقد عقدا واحدا عثمان رضي الله عنه**"[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے میں دو تسمے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جوتے میں بھی دو تسمے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جوتے میں بھی دو تسمے تھے۔ سب سے پہلے جس نے ایک تسمہ باندھا، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔

☆☆☆

(۱) أخرجه الترمذي في شمائل الترمذي (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث: ۷۱.

أخرجه الطبراني في المعجم الصغير (بيروت: المكتب الإسلامي)، رقم الحديث: ۲۵۴.

أخرجه البزار في مسنده (المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم)، رقم الحديث: ۱۰۰۷۱.

دوسری فصل:
نعلین کے ساتھ سفر معراج کی تحقیق

یہ فصل ان نادر گوشوں کے بیان پر مشتمل ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک سے متعلق ہیں اور عام کتابوں میں بہ مشکل ملتے ہیں، ان ہی میں ایک مشہور واقعہ ہے جسے قصہ بیان کرنے والوں کی مجلسوں میں بار بار دہرایا جاتا ہے کہ شب معراج میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتوں سمیت آسمانوں کی سیر کے لیے تشریف لے گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفعتوں کو طے کرتے ہوئے عرشِ معلیٰ کی بلندیوں تک پہنچے، تو بارگاہِ ربانی کے ادب واحترام کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین اتارنے کا ارادہ فرمایا، اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی مقدس میں جوتا اتارنے کا حکم دیا گیا تھا: ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾[1] اس وقت بلند وبرتر ملأ اعلی سے آواز آئی، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے جوتے نہ اتاریئے۔

یہ واقعہ بعض شعراء اور مداحین نے اپنی شاعری اور دیوانوں میں بھی ذکر کیا ہے، اور عوام وخواص میں مشہور ہو گیا ہے، ایک شاعر نے کہا:

به ناظراً تمثال نعل نبيه
قبل مثال نعاله متذللا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کے نقشے کو دیکھ، اور ان کے جوتے کے نمونے

---

(۱) سورۃ طٰہٰ: ۱۲.

کے سامنے عاجزی اور انکساری سے جھک جا۔

واذكر به قد ما علت في ليلة

الإسراء به فوق السموات العلى

اور یاد کر کہ یہ جوتے شبِ معراج میں کہاں تک بلند ہوئے تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان جوتوں کے ساتھ بلند آسمانوں تک پہنچے تھے۔

واخضع له وامسح جبينك ولتكن

متبركا أبدا به متوسلا

اس کے سامنے جھک جا اور اپنا ماتھا جھکا کر ان سے برکت حاصل کر، اور ہمیشہ ان سے برکت اور وسیلے کا طلب گار رہ۔

محمد بن فرج السبتی نے کہا ہے:

رأيت مثال النعل نعل الذي به

إلى حضرة القدس العلية قد أسرى

میں نے اس جوتے کے نقشے کو دیکھا، کہ جس کے ساتھ حضرتِ قدس کی مقدس بارگاہ تک معراج ہوئی۔

رعى الله منها أي نعل كريمة

برجل علت فخرا على قمة النسر

اللہ اس مبارک جوتے کو سلامت رکھے، وہ عظیم جوتا جو ایسے پاؤں میں تھا جس نے عزت وفخر سے شاہین کی چوٹی کو بھی بلند کر دیا۔

روى أنه نودي و قد رام خلعها

وما الحياء في وجنتيه معا يجرى

روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اتارنے کا ارادہ کیا، تو شرم وحیا

کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر نمایاں تھے۔

رسولي لا تخلع تشرف بوطيها

بساطي يا معنى جودي و يا سري

آواز آئی: اے میرے رسول اور اے میری عظمت اور رفعت کے مظہر! جوتے نہ اتاریئے، اس جوتے کے ساتھ میری بارگاہ میں قدم رکھیے۔

رفعت لواء المكرمات جميعها

بيمني العلى والناس في قبضة الذرة

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے برگزیدہ ہاتھ سے تمام عظمتوں کے پرچم کو بلند کیا، جب کہ لوگ ذرہ بے مقدار کی گرفت سے باہر نہ تھے۔

مشہور مصری ادیب فاضل شرف الدین عیسی بن سلیمان نے کہا ہے:

وعلى الصراط غدا تسير بيمنها

كالطير أو كالبرق في نيل السرى

أعظم بها نعلا مشت فوق الثرى

وبها تشرفت الجباه من الورى

کل قیامت کے دن صراط پر یہ نعلین ایسے ہی چلیں گی جیسے پرندہ یا بجلی کہ اپنے سفر میں تیزی سے گزرتے ہیں۔ کتنی عظیم ہیں وہ نعلین جو زمین پر چلیں، اور جن کے ذریعے دنیا کی پیشانیوں کو شرف ملا۔

محمد بن فرح، جو بلدۃ السبتیۃ (مراکش کی ایک عظیم بستی) کے مشہور ادباء میں سے ہیں، اور اس بستی کی نسبت قاضی ابوالفضل عیاض سے ہے، جو "الشفاء" اور "المشارق" کے مصنف ہیں، اور اس بستی کا نام رکھنے کی وجہ تفصیل سے علامہ المقری کی کتاب "أزهار الرياض في أخبار عياض" میں بیان کی گئی ہے:

انہوں نے کہا:

ضممت نعال المصطفى رجلة التى
بها شرف الله السموات والأرضا
ضعوها كمثلي فوق رؤسكم فقد
زكا من رأى تعظيم مقدارها فرضا

میں نے نعلینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس قدم میں شامل کیا، جس سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو شرف بخشا۔ ان نعلین کو اپنی مثل (عزت واحترام سے) اپنے سروں پر رکھو، کیوں کہ ان کی تعظیم فرض ہے۔

جب میں یہ قصہ واعظین سے سنتا تھا، تو اپنے دل میں کہتا تھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام کے پیش نظر اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی بعید نہیں؛ کیوں کہ اللہ نے آپ کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے، اور آپ کے قدموں سے آسمانوں اور زمینوں کو شرف بخشا ہے، لہٰذا اس میں کوئی تعجب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعلین کے ساتھ معراج کروائی گئی ہو، اور آپ سے کہا گیا ہو کہ آپ اپنے جوتے نہ اتاریں۔ لیکن جب تک اس واقعے کو کسی ضعیف روایت سے میں نے ثابت نہیں پایا تو میں نے اسے بیان کرنے کی جرأت نہیں کی، پھر جب میں نے المقری اور دیگر علماء کا کلام پڑھا، تو میرا تردد ختم ہو گیا اور حیرت دور ہو گئی، اور میں نے مجالس میں بلند آواز سے اعلان کیا کہ یہ قصہ من گھڑت اور موضوع ہے۔

''فتح المتعال'' میں ہے:

''محمد بن فرح سبتی نے متعدد قصائد اور دیگر کتابوں میں یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں کے جوتے کے ساتھ معراج کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوتا اتارنا چاہتے تھے، لیکن آواز آئی کہ: نہ اُتارو، ابوالحسن علی بن احمد الخزرجیؒ نے بھی یہی لکھا

ہے، اسی طرح شیخ عبدالرحیم البرعیؒ اور دیگر حضرات نے بھی اس کو ذکر کیا ہے، حالاں کہ مجھے کتب حدیث میں گہرائی سے تحقیق کرنے کے بعد بھی کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جو اس کو ثابت کرے۔ پس اس کو ترک کرنا ہی بہتر ہے؛ کیوں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اور ایسے مسائل میں احتیاط ضروری ہے۔ اور اہل علم اور ناقدین حدیث نے اس واقعہ کا رد کیا ہے، اس کے قائلین کو برا بھلا کہا ہے اور اس کو موضوع قرار دیا ہے، پس محدثین کی رہنمائی پر عمل کرنا ضروری ہے؛ کیوں کہ مثل مشہور ہے: "**صاحب البيت أدرى بما فيه**" کہ گھر کا مالک ہی گھر کے معاملات سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ امام رضی الدین القزوینیؒ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں سمیت عرش تک پہنچے اور کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "**لقد شرف العرش بنعله**" (یعنی عرش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین سے مشرف ہوا)، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ بات درست نہیں، اس کا کوئی معتبر ثبوت نہیں ہے۔ نہ ہی کسی صحیح یا حسن روایت میں یہ ذکر ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرش تک پہنچے ہوں، صحیح اور معتبر احادیث میں تو صرف اتنا مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک گئے، اس سے آگے جانے کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ معتبر احادیث میں۔ یہ بات بعض ضعیف اور موضوع روایتوں میں ملتی ہے، جن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، بہت سے محدثین نے بھی امام رضی الدینؒ کی اس وضاحت کی تائید کی ہے اور اسے درست قرار دیا ہے۔ واقعۂ معراج تقریباً چالیس صحابہ کرامؓ نے روایت کیا ہے، مگر ان تمام روایتوں میں کہیں نہیں آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات جوتے پہنے ہوئے تھے۔ یہ دراصل بعد کے قصہ گو افراد کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔

واقعہ معراج اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عرش:

اسی طرح وہ حکایت بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عرش پر چٹائی بچھائی گئی اور

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوتے اتارنے لگے تو آواز آئی کہ ''نہ اتارو'' یہ بھی بالکل بے بنیاد اور باطل روایت ہے، جس کی کوئی اصل نہیں، معتبر روایات صرف اتنا بتاتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک گئے، بعض روایتوں میں یہاں تک بھی نہیں آیا، بلکہ یہ ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام تک پہنچے جہاں قلموں کی سرسراہٹ سنائی دیتی تھی۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے آگے گئے یا عرش کو دیکھا، ان پر لازم ہے کہ اس کا ثبوت پیش کریں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ صحیح احادیث، نہ ہی ضعیف روایتوں میں ایسی کوئی بات پائی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرش تک پہنچے ہوں یا عرش کا مشاہدہ فرمایا ہو۔ ابن ابی الدنیاؒ نے ابوالمخارق سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''**مررت ليلة أسرى برجل مغيب في نور العرش، قلت: من هذا الملك؟ قيل: لا، قلت: نبي؟ قيل: لا، قلت: من هو؟ قيل: هذا رجل كان في الدنيا لسانه رطب من ذكر الله، وقلبه معلق بالمساجد**''[1] میں معراج کے دوران ایک شخص کے پاس سے گزرا جو عرش کے نور میں غرق تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کون شخص ہے؟ تو جواب آیا: یہ وہ شخص ہے جس کی زبان اللہ کے ذکر سے تر رہتی تھی اور جس کا دل مساجد سے جڑا رہتا تھا، لیکن یہ حدیث مرسل ہے، اور اس باب میں اس کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ اور سابق میں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی کے ساتھ عرش تک پہنچے، ایسا کہنے والے پر اللہ کی لعنت ہو؛ کیوں کہ یہ بات جھوٹ ہے، اور اس کا کوئی اخلاقی یا علمی جواز نہیں ہے، اور اس شخص نے سید المتأدبین صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کی جرأت کی ہے''۔[2]

---

(۱) البغدادي، ابن أبي الدنيا، عبد الله بن محمد، الأولياء (بيروت: مؤسسة الكتب)، ص: ۳۸.

(۲) التلمساني، المالكي، أبو العباس أحمد بن محمد، فتح المتعال في مدح خير النعال (القاهرة: دار القاضي عياض)، ص: ۴۵.

علامہ زرقانیؒ نے "شرح المواهب اللدنيه" میں امام رضی الدین القزوینیؒ کے جواب پر بعض محدثین کی تائید بھی ذکر کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے: جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسم کا عرش تک پہنچنا اور جوتی کے ساتھ آسمانوں تک چڑھنا کسی بھی طرح ثابت نہیں ہے، یہ ایک عمدہ تحقیق ہے لیکن انہوں نے بعض محدثین سے سدرۃ المنتہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے بڑھنے کے متعلق جو بات نقل کی ہے یہ نہ تو صحیح، نہ حسن، اور نہ ضعیف حدیث سے ثابت ہے اور یہ محل نظر ہے؛ اس لیے کہ ابن ابی حاتمؒ نے انس بن مالکؓ سے روایت نقل کی ہے: کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہی تک پہنچے، تو ایک سحاب (بادل) آیا جس میں ہر رنگ کی روشنی تھی، اور جب وہ بادل چھایا تو جبریل علیہ السلام پیچھے ہٹ گئے، اور امام رضی الدین القزوینیؒ نے بھی اس حدیث کو درست کہا ہے۔[1] خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں تک اپنی جوتے کے ساتھ پہنچنا ثابت نہیں ہے، اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو تو ہمارے لیے ایسی باتوں کو بیان کرنا جائز نہیں، بلکہ ہمیں اسے صرف اسی وقت ذکر کرنا چاہیے جب وہ کسی موضوع کے ساتھ مربوط ہو، جیسا کہ دیگر موضوعاتی روایات اور من گھڑت قصے کہانیوں میں ہوتا ہے۔ اور حقیقت حال کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تمام معاملات میں وہ ماوی وملجا ہے۔

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "صاحب النعلين" کہلانے کا سوال ہے، تو یہ بات قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب "الشفاء" میں ذکر کی ہے، الخفاجیؒ نے اپنی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ انجیل میں آپ کا لقب صاحب النعلین بھی آیا ہے، اور بعض علماء نے اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو جوتیاں سبتی نوع کی تھیں، یعنی ان پر بال نہیں تھے، یہ لقب اس وجہ سے دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت کے لوگوں کی طرح ایک پاؤں میں جوتا نہیں پہنتے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

---

(۱) قسطلاني، أحمد بن محمد، المواهب اللدنية (بيروت: دار الفكر)، ج۱، ص:۲۱۰.

دونوں پیروں میں جوتا پہننے کا تھا، اس کے علاوہ ایک جوتا پہننے کی ممانعت بھی دیگر روایات میں آئی ہے۔

صاحب النعلین عبداللہ بن مسعودؓ:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ''صاحب النعلین'' کا لقب دیا گیا تھا، جیسا کہ ابونعیمؒ نے ''حلیة الأولیاء'' میں عبداللہ بن شداد بن ہاد سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے، تکیہ، اور مسواک کے ذمہ دار تھے۔ ''تهذیب أسماء الرجال'' میں ہے:

''عبداللہ بن مسعودؓ بن غافل بن حبیب بن شمخ بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الجرف بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس، کنیت ابوعبدالرحمٰن ہذیلی، اور والدہ ''ام عبد'' تھیں۔ وہ ابتدائی دور میں اسلام لائے، دونوں ہجرتوں میں شریک ہوئے، اور انھوں نے غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شرکت کی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے سنبھالنے والے صحابی تھے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام جیسے سعد بن معاذؓ، عمر فاروقؓ، اور صفوان بن عسالؓ، آپ کے بیٹے عبدالرحمٰنؒ اور ابوعبداللہؓ، آپ کے بھتیجے عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابن عمرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، حجاج بن مالک اسلمیؓ، ابوامامہؓ، طارق بن شہابؓ، ابوطفیلؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابن عباسؓ، ابوثور فہمیؓ، ابورافع مولیٰؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور عبداللہ بن حارث زبیدیؓ، عمرو بن الحارثؓ، ابو شریکؓ، آپ کی اہلیہ زینب بنت عبداللہ ثقفیہؓ، علقمہؒ، اسود بن یزیدؒ، مسروقؒ، ربیع بن خثیمؒ، زید بن وہبؒ، اور ابووائل شقیق بن سلمہؒ، حارث بن سویدؒ، ربعی بن خراشؒ، زر بن حبیشؒ، ابو عمرو شیبانیؒ، عبداللہ بن شداد بن ہادؒ، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ، عبدہ بن عمرو سلمانیؒ، ابوعثمان نہدیؒ، ابوالأحوص عوف بن مالکؒ، ابومیسرہ عمرو بن شرحبیلؒ، عمرو بن میمون الأودیؒ، قیس

بن ابی حازمؒ، ابوعطیہ مالکؒ، المستورد بن احنفؒ، ہذیل بن شرحبیلؒ، ابواسودؒ وغیرہ سے بھی یہ روایات نقل کی گئی ہیں۔

امام بخاریؒ کے مطابق، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں وفات پائی، ابونعیمؒ اور دیگر محدثین کے مطابق ان کی وفات بتیس ہجری میں ہوئی، یحییٰ بن بکرؒ کے مطابق ان کی وفات نے تینتیس ہجری میں ہوئی، بعض کے مطابق ان کی وفات کوفہ میں ہوئی، لیکن مدینہ میں وفات کا قول زیادہ مستند ہے''۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''تهذيب التهذيب'' میں یہ اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (عبداللہ بن مسعودؓ سے) کہا تھا: بے شک تم ایک سیکھنے والے نوجوان ہو، یہ ابتدائے اسلام کی بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعودؓ اور سعد بن معاذؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا، ابن حبانؒ کے مطابق، عبداللہ بن مسعودؓ کی نماز جنازہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی ہے۔[2] ابونعیمؒ نے ذکر کیا کہ وہ چھٹے شخص تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ستر سورتیں حاصل کیں۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ابراہیم نخعیؒ سے روایت نقل کی ہے:

''میں شام میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز ادا کی، پھر دعا کی: اے اللہ! میرے لیے ایک اچھا ساتھی مہیا فرما، میں نے ایک بوڑھے شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا، جب وہ قریب پہنچے تو میں نے کہا: امید ہے کہ اللہ نے میری دعا قبول کر لی ہے، انھوں نے پوچھا:

---

(۱) الذهبي، شمس الدين محمد بن أحمد، تهذيب الكمال في أسماء الرجال (بيروت: مؤسسة الرسالة)، ج۱۶، ص:۱۲۲.

(۲) العسقلاني، شهاب الدين، أبو الفضل، تهذيب التهذيب (بيروت :دار المعارف النظامية)، ج۶، ص:۲۸.

تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے جواب دیا: اہل کوفہ میں سے ہوں۔ انھوں نے کہا: کیا تمہارے درمیان نعلین، تکیہ اور وضو کے برتن اٹھانے والے شخص نہیں تھے؟ کیا تمہارے درمیان وہ نہیں تھے جنہیں شیطان سے محفوظ رکھا گیا؟ کیا تمہارے درمیان وہ نہیں تھے جن کے پاس ایسا راز تھا جسے کوئی اور نہیں جانتا؟ پھر انہوں نے کہا: ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) "والليل" کو کیسے پڑھتے تھے؟ میں نے پڑھا: ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ، وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ، اور وَالذَّكَرِ وَالْأُنثَىٰ﴾[1] اس پر بزرگ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں مجھے اپنے دہن مبارک سے سکھائیں"۔[2]

بخاری کی شرح میں ہے: "صاحب نعلين" سے مراد عبداللہ بن مسعودؓ ہیں؛ کیوں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین کو اٹھاتے، پہناتے اور اتارتے تھے، اور "صاحب السر" سے مراد حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں، اور جسے شیطان سے محفوظ رکھا گیا، اس سے مراد عمار رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ابراہیم کو ملنے والے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تھے، اور "فاه إلى في" کا مطلب ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے براہ راست مجھے ان الفاظ کو سکھایا تھا۔

ابن حجرؒ نے "فتح الباري" میں لکھا ہے: حقیقی معنی میں صاحب النعلین نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جب کہ ابن مسعودؓ کو مجازی طور پر صاحب النعلین کہا گیا؛ کیوں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین کو اٹھاتے تھے۔[3]

---

(۱) سورۃ اللیل: ۱، ۲.

(۲) أخرجه البخاري في صحيحه، "باب مناقب عبد الله بن مسعود" (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث: ۳۸۶۱.

(۳) العسقلاني، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد، فتح الباري (بيروت: دار المعرفة)، ج۱، ص: ۲۵۱.

اگر ''صاحب'' کا مطلب نعل کے ساتھ رفاقت ہوتو دونوں میں کوئی مجاز نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب کا مطلب ہے ''اپنے نعلین کے مالک'' اور ابن مسعودؓ کے لقب کا مطلب ہے ''اپنے آقا کے نعلین کے ساتھی''، لیکن ''صاحب'' سے مراد ذات ہوتو دونوں مجاز ہوں گے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب کو حقیقی اور ابن مسعودؓ کے لقب کو مجازی کہنے کی کوئی خاص وجہ نہیں۔

امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں خیثمہ بن عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ سے روایت کی ہے: میں مدینہ آیا اور اللہ سے دعا کی کہ مجھے نیک ساتھی عطا فرما، تو اللہ نے میرے لیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو میسر کر دیا، میں ان کے پاس بیٹھا اور کہا: میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ مجھے نیک ساتھی عطا کرے اور اس نے مجھے اس میں کامیاب کیا، ابو ہریرہؓ نے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا: کوفہ سے بھلائی کی تلاش میں آیا ہوں، انہوں نے کہا: کیا تمہارے درمیان سعد بن مالک (سعد بن ابی وقاصؓ) نہیں ہیں جو دعاؤں کے قبول ہونے کا وسیلہ ہیں؟ کیا تمہارے درمیان ابن مسعود رضی اللہ عنہ نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے برتن اور نعلین کے ذمہ دار تھے؟ کیا تمہارے درمیان حذیفہ رضی اللہ عنہ نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار تھے، کیا تمہارے درمیان عمار رضی اللہ عنہ نہیں ہیں جنہیں اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے شیطان سے محفوظ قرار دیا؟ اور کیا تمہارے درمیان سلمانؓ نہیں ہیں جو دو کتابوں (انجیل اور قرآن) کے حامل تھے؟[1] قتادہؒ کہتے ہیں کہ ان دو کتابوں سے مراد انجیل اور قرآن ہیں۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

---

(۱) أخرجه الترمذي في سننه، ''باب مناقب عبد الله بن مسعود'' (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث: ۳۸۱۱.

خاصف النعل حضرت علی المرتضیٰؓ:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ''خاصف النعل'' لقب ہے؛ کیوں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کی مرمت کرتے تھے، امام احمدؒ، ابو یعلیٰؒ، ابن حبانؒ، حاکمؒ، ابونعیمؒ، اور بغویؒ نے ''شرح السنة'' میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے:

''سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن منكم من يقاتل على تأويل القرآن، كما قاتلت على تنزيله، قال أبو بكر: أنا هو يا رسول الله! قال: لا، قال عمر: أنا هو، قال: لا، و لكن خاصف النعل، وكان علي رضي الله عنه قد أخذ نعل رسول الله صلى الله عليه وسلم و هو يخصفها''[1]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: تم میں سے ایک ایسا شخص ہوگا جو قرآن کی تاویل پر اسی طرح قتال کرے گا جیسے میں نے اس کے نزول پر قتال کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ کے کلام کا مصداق میں ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ کے کلام کا مصداق میں ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ وہ خاصف النعل ہے، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین کی مرمت کررہے تھے۔

امام ترمذیؒ نے صحیح سند کے ساتھ ربعی بن خراش سے روایت کی ہے:

---

(۱) أخرجه أحمد بن حنبل في مسنده (بيروت: مؤسسة الرسالة)، رقم الحديث:۱۱۷۷۳.
أخرجه الحاكم في المستدرک (بيروت: دارالكتب العلمية)، رقم الحديث:۴۶۲۱.
أخرجه ابن حبان في صحيحه (القاهرة: دارالشعب)، رقم الحديث:۶۹۳۷.
أخرجه أبو يعلى في مسنده (دمشق: دار المأمون)، رقم الحديث:۱۰۸۶.
أخرجه البغوي في شرح السنة (بيروت: المكتب الإسلامي)، رقم الحديث:۲۵۵۷.

”عن علي رضي اللّٰه عنه قال: لما كان يوم الحديبية خرج إلينا ناس من المشركين، فيهم سهل بن عمر، فقالوا: خرج إليک يا سول اللّٰه ناس من أبنائنا وأرقائنا ليس فيهم فقه، فقال: يا معشر قريش ليبعثن اللّٰه عليكم من يضرب رقابكم على الدين، قالوا: من هو يا رسول الله؟ قال: هو خاصف النعل، و كان قد أعطى عليا نعله يخصفها“[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حدیبیہ کے دن کچھ مشرکین، جن میں سہیل بن عمرو بھی شامل تھے، ہمارے پاس آئے اور کہا: اے محمد! تمہارے پاس ہمارے بیٹے اور غلام آئے ہیں جنہیں دین کی سمجھ نہیں ہے، انہیں واپس بھیج دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے قریش کے لوگو! اللہ تم پر ایک ایسے شخص کو بھیجے گا جو تمہاری گردنیں دین کی خاطر اڑائے گا، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ خاصف النعل ہے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی نعلین دی تھی تاکہ وہ ان کی مرمت کریں۔

نعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق:

علماء کی ایک بڑی تعداد نے قدیم و جدید زمانے میں نعلِ مبارک کی تحقیق اور اس کی تصویر سے متعلق کلام کیا ہے، ان میں: امام ابوبکر بن العربیؒ، حافظ ابوالربیع بن سالم الکلاعیؒ، ابوعبداللہ الکاتبؒ، ابوعبداللہ بن رشید الفہریؒ، ابوعبداللہ محمد بن جابر الوادیؒ، خطیب الخطباء ابو عبداللہ بن مرزوق التلمسانیؒ، ابن البراء التونسیؒ، ابو اسحاق ابراہیم بن الحاج الاندلسی مغربیؒ شامل ہیں، ابن عساکرؒ نے نعلِ مبارک کی تحقیق ان ہی سے حاصل کی ہے، اسی طرح ابن ابی الخصالؒ، ابن عبداللہ المراکشیؒ اور دیگر مغربی علماء نے بھی اس موضوع پر کام کیا ہے۔

---

(۱)أخرجه الترمذي في سننه، ”باب مناقب علي بن أبي طالب“ (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث: ۳۷۱۵.

مشرقی علماء میں سے حافظ ابوالقاسم بن عساکرؒ کی اس موضوع پر ایک مستقل تالیف موجود ہے، ان کے شاگرد البدرؒ، حافظ زین الدین العراقیؒ، ان کے بیٹے ابوزرعہؒ، سراج البلقینیؒ، شیخ یوسف المالکیؒ، حافظ سخاویؒ، اوران کے معاصرین امام سیوطیؒ اور قسطلانیؒ نے بھی اس موضوع پر تحقیق کی ہے۔لیکن اس موضوع پر قابل اعتماد اہل مغرب ہی ہیں، مشرق میں حافظ ابن عساکرؒ کو اس باب میں مرجع سمجھا گیا ہے، لیکن انہوں نے بھی یہ علم ابن الحاج مغربیؒ سے حاصل کیا، پانچویں صدی ہجری کے بعد اس باب میں مغربی علماء کا غلبہ رہا، جب کہ پانچویں صدی سے پہلے مشرقی علماء کو اس موضوع میں نمایاں حیثیت حاصل تھی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ نعلِ مبارک اہل مشرق یعنی بنوابوالحدید کے پاس مدرسہ اشرفیہ میں موجود رہا ہے، جس کا قصہ کچھ یوں ہے کہ نعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھا، ان سے بطور وراثت ہوتے ہوئے یہ بنوابوالحدید کے پاس پہنچا، یہاں تک کہ اس خاندان کے آخری فرد نے اپنی وفات کے وقت تیس ہزار درہم، دو بیٹے اور یہ نعل چھوڑے، بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: تم یا تو مال لے لو یا نعل مبارک، دونوں نے آپس میں صلح کی اور ایک نے مال لیا جب کہ دوسرے نے نعلِ مبارک، اس کے بعد نعل مبارک کو عجمی علاقے میں لے جایا گیا اور وہاں کے بادشاہ، اشرف بن عادل کو برکت کے لیے پیش کیا گیا، بادشاہ نے نعل مبارک کو دیکھ کر اس سے ایک ٹکڑا طلب کیا تا کہ برکت حاصل کرے، پھر کہا: تم بوڑھے ہو، اس نعل کے ساتھ کیا کرو گے؟ مجھے دے دو اور اس کے بدلے میں ایک گاؤں لے لو، اس پیشکش کو قبول کر لیا گیا، پھر بادشاہ اشرف دمشق میں آباد ہو گیا اور وہاں ''دار الحدیث'' قائم کی، اس کے لیے بہت سارا وقف مقرر کیا اور اس کے جنوبی حصے کو مسجد بنایا، اور مسجد کے مشرقی حصے میں محراب کے قریب نعل مبارک رکھنے کے لیے ایک جگہ مخصوص کی، جسے آبنوس کی لکڑی کے تابوت میں چاندی کی کیلوں سے جمایا، چاندی کا قفل لگایا، اور اس پر سبز، سرخ، اور زرد ریشمی پردے

ڈالے، اس تابوت میں پیتل کا ایک بڑا دروازہ تھا جو سونے کا معلوم ہوتا تھا، اور نعل مبارک کی زیارت کے لیے ہر پیر اور جمعرات کو یہ دروازہ کھولا جاتا تھا تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کریں۔ اس واقعہ کو ابن رشیدؒ اور دیگر مؤرخین نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

''فتح المتعال'' میں ہے:

''اہل دمشق اور دیگر لوگ ان نعل مبارک سے برکت حاصل کرتے اور مشکلات کے وقت ان سے شفاعت طلب کیا کرتے تھے، چناں چہ ایک بڑا واقعہ اس وقت پیش آیا جب ناصر محمد بن قلاوون کے نائب، سیف الدین، نے شام میں اہل دمشق پر سخت ظلم کیا، اس نے اہل دمشق پر دوسو سواروں کے بجائے ساڑھے چار سو سواروں کا بھاری ٹیکس عائد کر دیا، اس اضافی بوجھ سے اہل دمشق عاجز آ گئے اور شہر کے دروازے بند ہو گئے، نائب نے حکم دیا کہ دمشق کی تمام جائیدادوں اور بازاروں کا حساب لیا جائے؛ تاکہ ان پر ٹیکس مقرر کیا جا سکے، اس ظلم سے تنگ آ کر لوگوں نے قاضیوں، خطیبوں، اور ائمہ سے شکایت کی، سب نے مل کر طے کیا کہ نائب کے پاس جا کر احتجاج کیا جائے۔ چنانچہ ۱۳/ جمادی الاولی ۷۱۱ھ، بروز پیر، خطیب جلال الدین قزوینیؒ نے (جو تلخیص المفتاح اور الایضاح کے مصنف ہیں) مصحف عثمانی، نعل مبارک (جو دار الحدیث الاشرفیہ میں محفوظ تھی)، اور خطیب کے جھنڈے لے کر عوام کے ساتھ نکلے، یہ قافلہ باب الفرج سے باہر نکلا، اور علماء، فقہاء، مؤذنین، اور عوام کے ساتھ نائب سیف الدین کے پاس پہنچا، انھوں نے نائب سے فریاد کی؛ لیکن اس نے ان کی بات کو رد کر دیا اور حکم دیا کہ انھیں مارا جائے، اور جب جلال الدین قزوینیؒ نے نائب کو سلام کیا، تو نائب نے کہا: ''اللہ تجھ پر سلامتی نہ کرے، پھر اس نے عوام کو مارنے کا حکم دیا، نائب کے سپاہیوں نے قرآن مجید، نعل مبارک، اور جھنڈے پھینک دیے، اور جلال الدین قزوینیؒ کو قصر میں لے جایا گیا، عوام نے کسی طرح مصحف شریف، نعل مبارک، اور جھنڈوں کو بچا لیا اور واپس شہر لے آئے، اس واقعے کے دس دن بعد اللہ تعالیٰ نے سیف

الدین کو سخت گرفت میں لے لیا، ناصر محمد بن قلاوون کے حکم پر اسے قید کیا گیا اور اسے ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا، اور اس کی یہ سزا اس کے قرآن مجید اور نعل مبارک کی بے حرمتی کے سبب تھی، اس کے بعد اہل دمشق کو اللہ نے سکون وراحت عطا کی اور لوگ نائب کی اس عبرت ناک انجام پر خوش ہوئے۔

میں نے اس زمانے میں اس نعل مبارک کے متعلق دریافت کیا، لیکن جن سے پوچھا، ان میں سے کسی کے پاس اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی، میرا گمان ہے کہ یہ نعلین تیمور لنگ کے دمشق کو برباد کرنے اور جلانے کے دوران ۸۰۳ھ میں ضائع ہو گئے، کسی سے تیمور کے دمشق کو تباہ کرنے کے وقت کے متعلق پوچھا، تو اس نے کہا: ''سنة خراب'' یعنی خرابی کا سال، یعنی لفظ ''خراب'' اس کی تاریخ ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی سے اس کے قیام کے تعلق سے معلوم کیا گیا، تو کسی نے کہا: ''سنة عذاب''، یعنی عذاب کا سال، یعنی ۷۳۳ھ کا سال، یہ دونوں عظیم تاریخی لطائف ہیں۔ پھر میں نے اپنی بات لکھنے کے طویل مدت کے بعد حافظ برہان الدینؒ کی کتاب ''نور نبراس'' میں وہی بات دیکھی، جس کا میں نے گمان کیا تھا، بل کہ اس میں کچھ مزید تفصیلات بھی تھیں۔ وہاں لکھا تھا: دمشق میں دو نعلین باقی تھیں، ایک دار الحدیث اشرفیہ میں قلعہ کے قریب تھی۔

شیخ امام محدث امین الدین المالکیؒ کا شعر ہے:

وفي دار الحديث لطيف معنى
وفيها منتهى أربي وسولي
أحاديث الرسول على تتلى
وتقبيلي لآثار الرسول

دار الحدیث میں ایک لطیف معنی ہے، وہاں میرے شوق کی انتہا اور مراد پوری ہوتی ہے، وہاں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی جاتی ہے، اور میں آثار رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کو بوسہ دیتا ہوں۔

اور دوسری نعل دماغیہ مدرسہ میں تھی، جو شوافع کا مشہور مدرسہ تھا۔ یہ دونوں نعلین تیمور لنگ کے حملے میں ضائع ہوگئیں، اور ان کا کچھ پتہ نہیں چلا، مصر کے کنارے دریائے نیل پر ایک مضبوط عمارت ہے، جہاں لکڑی کی ایک الماری ہے، جس پر کئی پردے ہیں۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار میں سے ایک لکڑی کا ٹکڑا اور ایک پیتل کی سیخ موجود ہے۔ ہم نے کئی بار اس جگہ کی زیارت کی، یہ حافظ حلبی کا بیان ختم ہوا، مصری مؤرخ مقریزی نے اپنی تاریخ "السکوک" میں بیان کیا ہے کہ جب سلطان سیف الدین چقمق نے قاضی زین الدین عبدالباسطؒ پر ظلم کیا، اور انہیں قید کیا، تو والی قاہرہ نے ان کے کپڑے، عمامے اور ہاتھوں کی انگوٹھیوں کو ضبط کر لیا، تو عمامہ میں ایک چمڑے کا ٹکڑا ملا، جس کے متعلق قاضی صاحب نے کہا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کا حصہ ہے، جو شام کے اشرفیہ مقام میں موجود نعلین میں سے تھا، قاضی صاحب کو شام میں بڑا اثر ورسوخ حاصل تھا، تو یہ بعید نہیں کہ یہ نعمت انہیں نعل مبارک کی برکت سے ملی ہو"۔ (۱)

اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلِ مبارک کے طول وعرض اور اس کی شکل وصورت دیکھنا چاہے، وہ "فتح المتعال" کا مطالعہ کرے؛ اس لیے کہ علامہ المقری نے وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کی شبیہ کے متعلق چھ مختلف اقوال کا ذکر کیے ہیں۔

نعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ لینا:

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک یا ان کی نقل موجود ہو، تو کیا ان کو بوسہ دینا، ہاتھوں سے چھونا، سر پر رکھنا اور اس سے برکت حاصل کرنا جائز ہے؟ جواب یہ ہے کہ

---

(۱) التلمساني، المالكي، أبو العباس أحمد بن محمد، فتح المتعال في مدح خير النعال (القاهرة: دار القاضي عياض)، ص: ۹۸.

علماء اور عظیم شخصیات نے ان امور کی ترغیب دی ہے اور نعلین نبوی یا ان کے نمونہ کو بوسہ دینے کی اجازت دی ہے۔

حافظ زین الدین العراقیؒ نے اپنی کتاب "ألفية السيرة" میں نعلین مبارک کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ونعله الموصوفة الكريمة ☆ طوبى لمن مسها بها جبينته
لها قبالان بسيرهما ☆ سبتيان سبوا شعرهما
و طولها شبر وأصبعان ☆ وعرضها مما يلي الكعبان
سبع أصابع وبطن القدم ☆ خمس وفوق ذا ست فاعلم
ورأسها محدود عرض ما ☆ بين القبالين أصبعان اضبطهما [1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کریم ہیں، اور مبارک ہے وہ شخص جو اپنی پیشانی سے ان نعلین کو چھوئے۔ یہ نعلین دو تسموں کے ساتھ ہیں، جن کے سوتی دھاگے ہیں۔ ان کا طول ایک بالشت اور دو انگلیاں ہے۔ اور ان کی چوڑائی جو ایڑی کے قریب ہے، سات انگلیاں ہے۔ پاؤں کے تلوے کا حصہ پانچ انگلیاں ہے۔ اور اس کے اوپر چھ انگلیاں ہیں۔ نعل کا سر مقرر ہے، اور تسموں کے درمیان چوڑائی دو انگلیاں ہے۔

علامہ المقری کے معاصر شیخ فتح الحلبیؒ نے لکھا ہے:

مثلك يا نعال أعلى النجبا ☆ بأسرار يمينها شهدنا العجبا
من مرغ فيه خده مبتهلا ☆ قد قام له بما قد وجبا

اے نعل! تو عظیم لوگوں میں سب سے بلند ہے۔ اور ہم نے تیرے ذریعہ اللہ کے اسرار دیکھے۔ جو اس میں اپنا چہرہ عاجزی سے رگڑے، وہ اپنی حاجت پوری کرلے گا۔

---

(۱) العراقي، عبد الرحيم، ألفية السيرة (بيروت: دار المنهاج)، ص:۸۸.

انہوں نے مزید کہا ہے:

مثال النعل مسها القدم التي ☆ بأخمصها السبع السموات تحلت
فيا نعم من نعل ونعم مثالها ☆ به كرب القلب المعنى تجلت
فالصق به الخدين والثمه شاكرا ☆ فكم نعم فيه لذى العرش جلت
ولقد رأيت مثال نعل محمد ☆ فاشتد شوقي عند ذلك وهاجا
فظللت أمسح و جنتى بشسعه ☆ مسحا وأجعله برأسي تاجا

اس نعل کو اس پیر نے چھویا ہے جس نے سات آسمانوں کو اپنے تلووں سے مزین کیا۔ کیا ہی عظیم نعل اور کیا ہی عظیم اس کا نمونہ، اس کے ذریعہ دل کا دکھ ختم ہوتا ہے۔ پس اس کو چوم، اور شکر گزاری کے ساتھ اسے چہرے پر لگا، اس میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں پوشیدہ ہیں۔ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل مبارک کا نمونہ دیکھا، تو میرے دل میں شوق کی شدت اور جذبات کی آگ بھڑک اٹھی۔ میں اس کے تسمے سے اپنی گالوں کو محبت سے مسح کرتا رہا، اور اسے اپنے سر پر تاج کی مانند رکھ لیا۔

علامہ الفریؒ فرماتے ہیں:

أكرم بتمثال حكى نعل من ☆ فاق الورى بالشرف الباذخ
طه أمين الله في وحيه ☆ مكينه ذو المنصب الشامخ
طوبى لمن قبله منينا ☆ بلثمه عن حبه الراسخ
صلى عليه الله ما سطرت ☆ أخباره في كتب الناسخ

عزت واحترام کرو اس نمونہ کا جو اس نعل کی مشابہت رکھتا ہے، جس کے مالک نے اپنی بلند شان سے تمام مخلوق پر سبقت لے لی۔ وہ طٰہٰ ہیں، اللہ کی وحی کے امین، عظیم الشان مقام کے حامل اور بلند مرتبہ والے۔ مبارک ہے وہ شخص جس نے محبت کے ساتھ اسے بوسہ دیا، اور اس سے اپنی گہری محبت کا اظہار کیا۔ اللہ ان پر درود بھیجے جب تک ان کے واقعات کتب میں لکھے جاتے رہیں۔

شیخ فتح اللہؒ فرماتے ہیں:

مثال نعل بوطی المصطفی سعدا ☆ فامدد إلی لثمه بالذل منک یدا
واجعله منک علی العینین معترفا ☆ بحق توقیره بالقلب معتقدا
وقبله وأعلن بالصلاة علی ☆ خیر الأنام وکرر ذاک مجتهداً

یہ اس نعل مبارک کا نمونہ ہے جسے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدموں سے چھوا، خوش بختی ہے۔ پس عاجزی کے ساتھ اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے بوسہ دو۔ اور اسے اپنی آنکھوں پر رکھو، دل سے اس کی تعظیم کا اعتراف کرتے ہوئے۔ اسے بوسہ دو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو، اور اس عمل کو اخلاص کے ساتھ بار بار دہراؤ۔

سید محمد بن موسیٰ الحسینی المالکیؒ جو علامہ المقریؒ کے ہم عصر ہیں فرماتے ہیں:

مثال نعال المصطفی أشرف الوری ☆ به مورد لا تبتغی عنه مصدراً
فقبله لثما وامسح الوجه موقنا ☆ بنیة صدق تلق ما کنت مضمراً

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل مبارک کا نمونہ تمام مخلوقات میں سب سے اشرف ہے، یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے کوئی اور بہتر وسیلہ طلب نہیں کیا جا سکتا۔ پس اسے بوسہ دو، صدق نیت اور یقین کے ساتھ اپنے چہرے پر مسح کرو، تاکہ تم اپنی دل کی مراد پالو۔

محمد بن فرج السبتیؒ فرماتے ہیں:

فؤادي لا تشک البعاد فهذه ☆ نعالهم فاستشفین بها تشفی
فمي قبلتها مثل نعل کریمة ☆ بتقبیلها یشفی سقام من استشفی

میرے دل، دوری کی شکایت نہ کر، کیوں کہ یہ نعلین مبارک ہیں، ان سے شفا حاصل کرو، اور یقیناً تمہیں شفا ملے گی۔ میرے لبوں نے انہیں چوما، یہ ایک عظیم نعل کی مانند ہیں، جن کے بوسے سے وہ بیمار بھی شفا پاتے ہیں جو ان سے شفا طلب کریں۔

یہ اشعار نعلین مبارک کی تعظیم کے فضائل اور اس سے برکت حاصل کرنے کے فوائد

بیان کرتے ہیں، جو محبت اور ادب کے اعلیٰ مظاہر ہیں۔

علامہ ابن الحاج المالکیؒ "المدخل" میں لکھتے ہیں: بعض لوگ جو (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی) قبرِ مبارک کے گرد طواف کرتے ہیں، اس کی تعمیرات کو چھوتے ہیں، اور کپڑے یا رومال اس پر پھینکتے ہیں، تو ان سب سے بچنا چاہیے، یہ تمام اعمال بدعات میں سے ہیں؛ کیوں کہ برکت حاصل کرنے کا طریقہ ہی اتباع (سنت کی پیروی) کے ذریعے ہوتا ہے، نیز جاہلیت کی عبادات بھی اسی قسم کی تھیں۔ اسی وجہ سے ہمارے علماء نے کعبہ کی دیوار، مسجد کی دیوار، یا قرآن پاک کو چھونے سے منع فرمایا ہے؛ کیوں کہ قرآن کی تعظیم اس کی تلاوت اور اس پر عمل کرنے میں ہے، نہ کہ اس کو چومنے یا اس کے لیے کھڑے ہونے میں، جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں، مسجد کی تعظیم اس میں نماز پڑھنے اور اس کا احترام کرنے میں ہے، نہ کہ اس کی دیوار کو چھونے میں، اسی طرح کوئی کاغذ اگر زمین پر پڑا ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام، نبی کا نام یا کوئی اور مقدس کلمہ لکھا ہو، تو اس کی تعظیم اسے غیر مناسب جگہ سے اٹھانے میں ہے، نہ کہ اسے چومنے میں۔ (۱)

علامہ المقریؒ فرماتے ہیں: اگر آپ کہیں کہ ابن الحاجؒ نے جس چیز کو مکروہ کہا ہے، وہ اس بات کے مخالف ہے جو آپ نے مالکی علماء کے بارے میں ذکر کی، یعنی ان کا نعلین پاک (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے) کو چومنا اور اس کی خوشبو سونگھنے کا حکم دینا۔ تو صحیح بات ابن الحاجؒ کی ہے یا ان علماء کی؟ تو میں کہتا ہوں: شاید جن لوگوں نے یہ عمل کیا، انہوں نے ان علماء کی تقلید کی جو امت میں اس کو جائز سمجھتے ہیں، اگر ان علماء نے نعلین کے چومنے اور سونگھنے کا حکم نہ دیا ہوتا، تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ شوق غالب آیا اور انہوں نے وہ عمل کیا جو ان کے دل میں آیا۔

بہت سے شوافع علماء نے نقل کیا ہے کہ علامہ تقی الدین ابو الحسن علی السبکی الشافعیؒ نے

---

(۱) الفاسي، محمد بن محمد، المدخل (القاهره: مكتبة التراث)، ج۱، ص:۲۶۳.

جب امام نوویؒ کی وفات کے بعد شام میں دارالحدیث الاشرفیہ کی تدریس سنبھالی، جو مسلمانوں، خاص طور پر شوافع کے لیے فخر کا مقام ہے، تو انہوں نے اپنے لیے یہ اشعار کہے:

وفي دار الحديث لطيف معنى
إلى بسط لها أصبوا أداوى
لعلى إن أمس بها بحر وجهي
مكانا مسه قدم الالنواو

دارالحدیث میں ایک لطیف معنی ہے، اس کی وسعت کی طرف میرا دل مائل ہے، شاید کہ اگر میں اپنے چہرے سے اس جگہ کو چھولوں جہاں نووی کے قدم پڑے تھے۔

اور اگر کسی کے آثار (نشانات) کا تبرک جائز ہے تو جنہوں نے سب کو شرف بخشا، ان کے آثار کا کیا حال ہوگا؟

علامہ احمد بن محمد البخاری الحنفیؒ نے علامہ سبکیؒ کے غار حرا کے متعلق کہے گئے اشعار میں ترمیم کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:

وفي غار الرسول لطيف معنى
نحن إلى جوانبه عظامي
لعلى أن أمس بها بحر وجهي
مكانا مه قدم التهامى

رسول اللہ کے غار میں ایک لطیف معنی ہے، اس کے کناروں کے قریب ہمارا مقام بڑا عظیم ہے، شاید میں اپنے چہرے سے چھوسکوں، اس جگہ کو جہاں پیغمبر تہامی (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے قدم پڑے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور دیگر صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ سے برکت حاصل کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ اور قدم مبارک کے نشانات کو تلاش کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے سے پانی پیا،

حضرت انسؓ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ تھا، حضرت عائشہؓ کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنے ہوئے کپڑے موجود تھے، اور صحابہ میں سے کئی کے پاس آپ کے موئے مبارک تھے، جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس، یہاں تک کہ انہوں نے برکت اور شفاعت کی نیت سے یہ وصیت کی کہ وہ ان کے ساتھ ان کی قبر میں دفن کیے جائیں۔[1]

حجر اسود کو چومنا:

بہت سے علماء، خاص طور پر مالکیہ کا مذہب ہے کہ جن چیزوں کو شریعت نے چومنے کا حکم نہیں دیا، ان کا چومنا مکروہ ہے، اسی لیے بعض ائمہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول: "إني أعلم أنک حجر" سے استدلال کرتے ہوئے پتھروں اور دیگر اشیاء کے چومنے کو مکروہ کہا ہے۔

بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، حاکمؒ اور دیگر محدثین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

"عن عمر أنه جاء إلى الحجر الأسود، فقبله وقال: إني أعلم أنک حجر، لا تضر ولا تنفع، ولو لا أني رأيت رسول الله ﷺ يقبلک ما قبلتک"[2]

---

(۱) التلمساني، المالكي، أبو العباس أحمد بن محمد، فتح المتعال في مدح خير النعال (القاهرة: دار القاضي عياض)، ص:۸۸.

(۲) أخرجه البخاري في صحيحه، "باب ما ذكر في حجر الأسود" (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث:۱۵۹۷.

أخرجه المسلم في صحيحه، "باب استحباب تقبيل الحجر الأسود في الطواف" (بيروت: دار الجيل)، رقم الحديث:۳۱۲۶.

أخرجه أبو داؤد في سننه، "باب في تقبيل الحجر" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۱۸۷۳.

أخرجه الترمذي في سننه، "باب تقبيل الحجر" (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث:۸۶۰.

أخرجه النسائي في سننه، "باب كيف يقبل" (حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية)، رقم الحديث:۲۹۳۸.

”وفي رواية الحاكم: فقال علي بن أبي طالب: يا أمير المؤمنين! هو يضر وينفع، ولو علمت ذلک من تأويل كتاب الله تعالى لعلمت أنه كما قال الله تعالى: ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ ۢبَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی﴾ فلما أقروا أنه الرب، وأنهم العبيد، كتب ميثاقهم في رق، وألقمه في هذا الحجر، وأنه يبعث يوم القيامة، وله عينان ولسان و شفتان، ويشهد لمن وافى بالموافاة، فهو أمين الله فی هذا الكتاب، فقال له عمر: لا أبقانی الله بالأرض لست فيها يا أبا الحسن!“[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کے قریب جا کر اسے بوسہ دیا اور کہا: میں جانتا ہوں کہ تم ایک پتھر ہو، نہ نفع پہنچا سکتے ہو اور نہ نقصان، اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہیں بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تمہیں کبھی بوسہ نہ دیتا۔

حاکمؒ نے ایک اضافی روایت نقل کی ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”امیر المومنین! یہ (حجر اسود) نفع اور نقصان پہنچا سکتا ہے، اگر آپ کتاب اللہ کی تعبیرات سے واقف ہوتے تو جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی اور ان سے خود ان کے اوپر گواہی لی کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں۔ تو جب انھوں نے اقرار کیا کہ اللہ رب ہے اور وہ اللہ کے بندے ہیں، تو اللہ نے ان کا میثاق ایک دستاویز پر لکھا اور اسے اس پتھر میں محفوظ کر دیا۔ یہ قیامت کے دن دو آنکھوں، ایک زبان اور دو ہونٹوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور جو لوگ اس کے ساتھ عہد پورا کریں گے، یہ ان کے حق میں گواہی دے گا۔ یہ ان کے حق میں گواہی دے گا، یہ اپنے عہد و پیمان کے باب میں اللہ کا امتی ہے، اس پر حضرت عمر نے کہا: اے ابوالحسن! اللہ تعالیٰ مجھے زمین پر زندہ نہ رکھتے اگر آپ زندہ نہ ہوتے۔

---

(۱) أخرجه الحاكم في المستدرک (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث: ۱۶۸۲.

حاکمؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اضافہ شیخین (بخاریؒ ومسلمؒ) کی شرط پر نہیں ہے؛ کیوں کہ انھوں نے ابو ہارون العبدی کی روایت کو حجت نہیں مانا۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مسند کے آخر میں ایک عجیب روایت موجود ہے:

"عن رجل أنه رأى النبي وقف عند الحجر، فقال: إني أعلم أنک حجر لا تضر ولا تنفع، ثم قبله، ثم حج أبو بكر فوقف عند الحجر، فقال: إني أعلم أنک حجر، لا تضر ولا تنفع، ولو لا أني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبلک ما قبلتک"[1]

ایک شخص نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے پاس کھڑے ہوکر فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تم ایک پتھر ہو، نہ نفع پہنچا سکتے ہو اور نہ نقصان۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بوسہ دیا، حضرت ابوبکرؓ نے بھی حج کے دوران حجر اسود کے قریب جا کر یہی الفاظ کہے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہو تو حاکمؒ کے اضافے کو باطل قرار دیا جائے گا، جیسا کہ علامہ قسطلانیؒ نے "إرشاد الساري شرح بخاري" میں ذکر کیا ہے، پس حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ "اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی بوسہ نہ دیتا" اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کا قول (اگر صحیح ہو) اس بات کی دلیل ہے کہ ان اشیاء کو بوسہ دینا مشروع نہیں جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بوسہ دینے کی روایت ثابت نہ ہو، البتہ اس سے کراہت لازم نہیں آتی؛ کیوں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عمل مباح ہو۔[2]

---

(۱) أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث: ۳۲۶.

(۲) القسطلاني، شهاب الدين، أبو العباس أحمد بن محمد، إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري (مصر: المطبعة الكبرى)، ج۳، ص: ۱۶۹.

بادشاہ اور عالم دین کے ہاتھ کو چومنا:

حنفی فقہاء کی اکثریت نے یہ بات ذکر کی ہے کہ عالم دین کے ہاتھ کو تبرک کی نیت سے چومنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح عادل سلطان کے ہاتھ کو چومنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ اس سے اس کے اسلام کی تعظیم کا قصد نہ ہو، اسی طرح محبت اور مودّت کے طور پر ایک مرد کا دوسرے مرد کو چومنا بھی جائز ہے۔

چومنے کی اقسام:

بعض علماء نے چومنے کی پانچ اقسام ذکر کی ہیں:

(۱) محبت کا بوسہ: اولاد کے گال پر۔

(۲) رحمت کا بوسہ: جو والدین کے لیے ہو۔

(۳) شفقت کا بوسہ: بھائی کے ماتھے پر۔

(۴) شہوت کا بوسہ: بیوی یا باندی کے دہن پر۔

(۵) سلام وتحیّت کا بوسہ: برادران اسلام کے ہاتھ پر۔

بعض علماء نے اس میں اضافہ کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ دینی تعظیم کا بوسہ جیسے حجر اسود کو چومنا یا کعبہ کے دروازے کی چوکھٹ کو بوسہ دینا۔

قرآن اور روٹی کو چومنا:

مصحف (قرآن) کو چومنے کے بارے میں اختلاف ہے: بعض علماء نے اسے بدعت کہا ہے، اور بعض نے اسے جائز کہا ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ہر صبح مصحف کو اٹھاتے، چومتے اور کہتے: یہ میرے رب کا لکھا ہوا عہد ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی مصحف کو چومتے اور اپنے چہرے پر رکھتے، بعض شوافع نے روٹی چومنے کو مباح قرار دیا ہے، جب کہ کچھ نے اسے مستحسن کہا ہے، علماء احناف میں سے بعض نے اسی قول کی

پیروی کی ہے۔ ہمارے حنفی علماء میں سے بھی بعض نے اس کی پیروی کی ہے۔ ان تمام اقسام پر تو علماء نے حکم بیان کیا ہے، لیکن جوتے (نعال نبوی) یا اس جیسی دیگر چیزوں کو چومنے کے بارے میں کسی نے تصریح نہیں کی، اس لیے فتویٰ میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ان چیزوں کو چومنے سے منع کیا جائے، تاکہ شرعی اضافے سے بچا جا سکے اور ممنوع راستوں کو روکا جا سکے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے۔

☆☆☆

خاتمه

اب ہم چند مشہور زبان زد خاص وعام کہاوتوں کو نقل کرتے ہوئے اللہ تعالی سے حسن خاتمے کی دعا کے ساتھ اس رسالے کو ختم کرتے ہیں:

كاد المتنعل أن يكون راكباً

جوتا پہننے والا سوار کی طرح ہے۔

یہ مشہور حدیث "**المتنعل راكب**" سے ماخوذ ہے، اس کی علاوہ اس کے مثل دیگر کہاوتیں بھی موجود ہیں جیسے: "**كاد العروس أن يكون ملكاً**" دلہا قریب ہے کہ بادشاہ بن جائے) "**وكان الفقر أن يكون كفراً**" (ہوسکتا ہے کہ غربت کفر کا سبب بن جائے) "**وكان البيان أن يكون سحراً**" (فصاحت وبلاغت جادو کی مانند ہے) "**وكاد السيء الخلق أن يكون سبعًا**" (ممکن ہے بداخلاقی وحشی پن کی شکل اختیار کر جائے) "**وكاد البخيل أن يكون كلبًا**" (ہوسکتا ہے کہ بخیل کتا بن جائے)۔

ایک مشہور کہاوت: "**ذلك الشيء أقرب من شراك النعل**" ہے، (یہ چیز جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے) جو ایسے معاملے کے لیے بولی جاتی ہے جو جلدی پیش آنے والا ہو۔

بخاری اور مسند احمد بن حنبل میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**الجنة أقرب إلى أحدكم من شراك نعله والنار مثل ذلك**"[1] جنت تم میں سے ہر ایک کے اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ

---

(۱) أخرجه البخاري في صحيحه، "باب حجبت النار بالشهوات" (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث: ٦٤٨٨.

أخرجه الحاكم في المستدرک (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث: ٣٦٦٧.

قریب ہے اور جہنم بھی ایسی ہی قریب ہے۔

مدینہ کی آمد کا واقعہ:

امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

"حدثنا قتيبة عن مالک عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة أنها قالت لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة وعک أبو بكر وبلال رضي الله عنهما قالت فدخلت عليهما قلت يا أبت كيف تجدک ويا بلال كيف تجدک قالت وكان أبو بكر إذا أخذته الحمى يقول:

كل امرء مصبح في أهله

والموت أدنى من شراک نعله

وكان بلال إذا أقلعت عنه يقول:

ألا ليت شعري هل أبيتن ليلة

بواد وحولي إذخر وجليل

وهل أردن يوما مياه مجنة

وهل تبدون لي شامة وطفيل

قالت عائشة فجئت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبرته فقال اللهم حبب إلينا المدينة كحبنا مكة أو أشد اللهم وصححها وبارک لنا في مدها وصاعها وانقل حماها فاجعلها بالجحفة"[1]

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کو بخار لاحق ہو گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: تو میں ان کے پاس گئی اور پوچھا:

---

(۱) أخرجه البخاري في صحيحه، "باب عيادة النساء والرجال" (القاهرة: دار الشعب)، رقم الحديث: ۵۶۵۴.

ابا جان! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ اور بلال! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بخار کی حالت میں یہ اشعار پڑھتے تھے:

كل البرى مصبح في أهله

والموت أدنى من شراك نعله

ہر تندرست انسان صبح اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہوتا ہے، جب کہ موت اس سے اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اور جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بخار اتر جاتا تو وہ یہ اشعار پڑھتے:

ألا ليت شعري هل أبيتن ليلة

بواد وحولي إذخر وجليل

وهل أردن يوما مياه مجنة

وهل تبدون لي شامة وطفيل

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کیا میں اپنی کوئی رات کو کسی وادی میں گزار سکوں گا، جب کہ میرے اردگرد اذخر اور جلیل گھاس ہو؟ کیا کبھی میں ''مجنة'' کے پانیوں کو دیکھ سکوں گا؟ اور کیا مجھے ''شامة'' اور طفیل کے علاقے دکھائی دیں گے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور انہیں اس کی خبر دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے ایسا محبوب بنا دے جیسا مکہ تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ، یا اللہ! اس کے مد اور صاع میں برکت عطا فرما اور اس کی آب وہوا کو سازگار بنا اور اس کے بخار کو جحفہ منتقل فرما دیجیے۔

ابن اسحاقؒ نے اپنی روایت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اشعار کے بعد مزید الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ثم دنوت إلى عامر بن فهيرة، وذلك قبل أن يضرب علينا الحجاب،

فقلت: كيف تجدك يا عامر؟ فقال:

قد وجدت الموت قبل ذوقه

كل امرء مجاهد بطوقه

میں عامر بن فہیرہ کے پاس گئی اور پوچھا: عامر! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے موت کا ذائقہ چکھنے سے پہلے اسے محسوس کرلیا ہے، پس ہر انسان اپنے بوجھ کو اٹھانے میں مصروف ہے۔

شارحین صحیح بخاری مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حدیث میں جو ''وعک'' کا لفظ مجہول کا صیغہ ہے، اور ''وعک'' بمعنی بخار سے مشتق ہے، یعنی اس شخص کو بخار ہوگیا۔ حضرت ابوبکرؓ کا قول ''مصبح'' اسم مفعول کا صیغہ ہے، اور لفظ ''شراک'' سے مراد جوتے کا وہ باریک تسمہ ہے جو پاؤں کے اوپر ہوتا ہے، اور ان کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ موت اچانک آسکتی ہے، خواہ صبح یا دن کے کسی وقت۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ''أقلعت عنه'' مجہول کا صیغہ ہے، یعنی جب بخار اتر جاتا، اور حضرت بلالؓ کا قول ''ألا'' تخفیف کے ساتھ برائے تنبیہ ہے، اور ''ليت شعري'' تمنا کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور ''وادٍ'' سے مراد وادء مکہ ہے، ''إذخر'' (ہمزہ کے کسرے، ذال کے سکون، اور خاء کے کسرے کے ساتھ) ایک خوشبودار گھاس ہے جو مکہ میں پائی جاتی ہے، ''المجنة'' (میم کے کسرے، جیم کے فتحہ اور نون کی تشدید کے ساتھ، اور ایک روایت میں میم کے فتحہ اور جیم کے کسرے کے ساتھ) مکہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے جہاں جاہلیت کے دور میں بازار لگتا تھا، ''الشامة'' (میم کی تخفیف کے ساتھ) اور ''الطفيل'' (طاء کے فتحہ اور فاء کے کسرے کے ساتھ) مکہ کے قریب واقع دو پہاڑ ہیں، اور خطابی کے مطابق یہ دو چشمے ہیں۔

صحاح الجوہری میں کہا گیا ہے کہ یہ اشعار حضرت بلالؓ کے نہیں، بل کہ وہ انہیں بطور

تمثیل بیان کرتے تھے، بعض حضرات کے مطابق یہ اشعار بکر بن غالب بن عامر بن حارثہ الجرہمی کے ہیں۔

"عمدة القاري" میں ہے:

"الجليل" ایک نرم گھاس ہے جسے گھروں کی چھتوں پر ڈالا جاتا ہے، "أردن" متکلم کا صیغہ ہے، "حولی" حال کے اظہار کے لیے استعمال ہوا ہے۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "أو أشد" کا مطلب "بل أشد" ہے، اور "الجحفة" (جیم پر ضمہ اور حاء کے سکون کے ساتھ) یہ اہل شام کی میقات ہے، وہاں اس وقت یہودی بستے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اللہ نے مدینہ کو مسلمانوں کے لیے مکہ سے بھی زیادہ محبوب بنا دیا، وہاں کے پیمانوں میں برکت دی، اور بخار کی بیماری کو بھی مدینہ سے "الجحفة" کی طرف منتقل کر دیا، اور یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کی وجہ سے ہوا۔

مزید کہاوت:

ایک کہاوت "هو كخصف النعل بالرجل" ہے، جسے مشکل کاموں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، ابن ماجہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "لأن أمشي على جمرة أو سيف إذا خصف نعلي برجلي أحب إلي من أن أمشي على قبر"[2] اگر میں جلتے انگارے یا تلوار پر چلوں، اور میرا جوتا میرے پاؤں کے ساتھ سلائی کیا جائے، تو یہ مجھے قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے۔

---

(۱) العيني، بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد، عمدة القاري (بيروت: دار احياء التراث)، ج۱۰، ص:۲۵۰.

(۲) أخرجه ابن ماجه في سننه، "باب ما جاء في النهي عن المشي على القبور والجلوس عليها" (بيروت: دار الفكر)، رقم الحديث:۱۵۶۷.

ایک اور مشہور کہاوت "حذو النعل بالنعل" ہے، جو ایسی چیز کے لیے بولی جاتی ہے جو دوسری کے مطابق ہو، امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ليأتين على أمتي ما أتى على بنى إسرائيل حذو النعل بالنعل، حتى إن كان منهم من أتى أمه علانية، لكان في أمتي من يصنع ذلك، وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وستفترق أمتى على ثلاث وسبعين ملة، كلهم فى النار إلا واحدة، قالوا: ومن هي يا رسول الله؟ قال: الذين هم على ما أنا عليه و أصحابى"[1]

میری امت پر ہو بہو وہی حالات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے ہیں، حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی اپنی ماں کے ساتھ علانیہ برا فعل کرتا تھا، تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا، بنی اسرائیل اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے، اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، جن میں سے سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے۔ صحابہ نے پوچھا: وہ کون ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوں گے۔

حاکمؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يأتي على أمتي مثل ما أتى على بني إسرائيل حذو النعل بالنعل، حتى لو كان فيه من نكح بأمه كان في أمتي مثله، إن بنى إسرائيل افترقوا على إحدى وسبعين ملة، و تفترق أمتي على ثلاث و سبعين ملة، كلهم فى النار إلا واحدة، فقيل له: ما واحدة؟ قال: ما أنا عليه اليوم وأصحابي"[2]

---

(۱) أخرجه الترمذي في سننه، "باب ما جاء في افتراق الأمة" (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث: ۲۶۴۱.

(۲) أخرجه الحاكم في المستدرک (بيروت: دارالكتب العلمية)، رقم الحديث: ۴۴۴.

میری امت پر بھی ہو بہو وہی حالات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے ہیں، یہاں تک کہ اگر ان میں کوئی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرتا تھا، تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا، اور بنی اسرائیل اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے، اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، جن میں سے سب جہنم میں ہوں گے سوائے ایک کے، صحابہ نے پوچھا: وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔

کثیر بن عبداللہ بن عوفؒ نے اپنے والد اور دادا کے واسطے سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لتسلكن سنن من قبلكم حذو النعل بالنعل، ولتأخذن بمثل أخذهم إن شبرا فشبر، وإن ذراعا فذراع، وإن باعا فباع، إلا أن بني إسرائيل افترقت على موسى إحدى وسبعين فرقة، كلها ضالة إلا واحدة الإسلام وجماعتهم، ثم إنها افترقت على عيسى اثنتين وسبعين فرقة، كلها ضالة إلا واحدة ،ثم إنكم تكونون على ثلاث وسبعين فرقة، كلها ضالة إلا واحدة، الإسلام وجماعتهم"[1]

تم لوگ بھی ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے ہر طریقے کو اپناؤ گے، اگر وہ ایک بالشت بڑھے، تو تم بھی بڑھو گے، اور اگر وہ ایک ہاتھ آگے بڑھے، تو تم بھی بڑھو گے، بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے وقت اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے، جن میں سے ایک حق پر تھا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے وقت بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے، جن میں سے ایک حق پر تھا، اور تم تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جاؤ گے، جن میں سے صرف ایک حق پر ہوگا، جو اسلام اور جماعت ہوگی۔

اسی طرح یہ مثل بھی مشہور ہے: "**طابق النعل بالنعل**" یہ کہاوت اس وقت بولی جاتی ہے جب دو چیزیں بالکل ایک جیسی ہوں اور ایک دوسرے سے مطابقت رکھتی ہوں۔

---

(۱) أخرجه الحاكم في المستدرک (بيروت: دار الكتب العلمية)، رقم الحديث: ۴۴۵.

ان میں سے ایک قول یہ ہے:''اضربي فإنک ناعلة'' یعنی''مارو، کیوں کہ تم جوتے پہنے ہوئے ہو''۔ یہ مثال ان لوگوں کے لیے دی جاتی ہے جو کسی ایسے کام سے پیچھے ہٹتے ہیں جسے وہ کرنے کی طاقت رکھتے ہوں، اس کی اصل یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس دو لونڈیاں تھیں، ان میں سے ایک ننگے پاؤں تھی اور دوسری جوتے پہنے ہوئے تھی، اس نے جوتے والی سے کہا:''اضربي فإنک ذات نعل'' یعنی پتھریلی زمین پر چلو، کیوں کہ تم جوتے والی ہو، شیخ شہاب الدین أحمد بن السمین الحلبیؒ نے اپنی کتاب''عمدة الحفاظ في تفسير أشرف الألفاظ''میں اس کو ذکر کیا ہے۔

علامہ تورزیؒ نے اپنی کتاب''شرح الشقراطسية'' میں اس مثال کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا:''اطری فإنک ناعلة''، تورزی نے کہا کہ یہ لفظ''أطر فلان'' سے ہے، جس کا مطلب ہے کہ فلاں وادی کے اطراف میں چلا، اور طاء یہاں مہملہ (نقطے کے بغیر) ہے۔ اس مثال کی اصل یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک چرواہی سے کہا جو آسان زمین پر چر رہی تھی:''اطری''، یعنی وادی کے اطراف میں چلو، کیوں کہ تمہارے پاس جوتے ہیں، پھر یہ مثال ہر اس شخص کے لیے دی جانے لگی جسے کسی سخت کام کے لیے کہا جائے، بشرطیکہ وہ اس کام کو کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔

چوں کہ اس مثال کی اصل ایک عورت کے خطاب پر مبنی ہے، اس لیے اس کو مذکر اور مونث دونوں کے لیے ایک ہی الفاظ کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، کیوں کہ امثال میں تبدیلی نہیں کی جاتی۔ ابو عبید نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ اس مثال میں جوتے سے مراد مضبوط قدم ہیں، اور یہ ابو الطیب متنبّی کے قول کے مشابہ ہے:

ويعجبني رجلاک في النعل أنني
رأيتک ذا نعل إذا کنت حافيا[1]

(۱) المتنبي، أبو الطيب، أحمد بن حسين بن حسن، ديوان المتنبي (بيروت: دار البيروت)، ص:۱۴۶.

مجھے تمہارے پاؤں جوتوں میں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے، کیوں کہ میں نے تمہیں ننگے پاؤں ہوتے ہوئے بھی صاحب جوتا دیکھا ہے۔

ان میں سے ایک کہاوت یہ ہے: ''**من كان أبوه حذاء جادت نعله**'' جس کا باپ جوتا بنانے والا ہو، اس کا جوتا بہترین ہوتا ہے۔

فائدہ:

حذّاء: وہ شخص ہوتا ہے جو جوتے کاٹتا اور بناتا ہے، حافظ زین الدین عراقیؒ نے ''**شرح ألفية الحديث**'' میں ذکر کیا ہے کہ مشہور محدث خالد الحذاءؒ جوتے بنانے والے نہیں تھے، بل کہ وہ جوتے بنانے والے کے پاس بیٹھا کرتے تھے، اس لیے انہیں الحذاء کہا جانے لگا۔ اس طرح کے کئی نظائر کتب رجال الحدیث کے ماہرین پر مخفی نہیں ہیں۔

جوتے کی تعبیر:

ابونصر بشر بن حارثؒ، کو ''**حافي**'' (ننگے پاؤں والا) کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ ایک مرتبہ وہ جوتے مرمت کرنے والے کے پاس گئے اور اپنی ایک ٹوٹی ہوئی جوتی کے لیے دھاگا مانگا، جوتے والے سے کہا: ''تم لوگوں نے دوسروں پر کتنا بوجھ ڈال رکھا ہے، اور قسم کھائی کہ وہ کبھی جوتا نہیں پہنیں گے۔ ان کا انتقال ۲۲۶ھ میں ہوا، جیسا کہ ابن خلّکان نے ''**وفيات الأعيان**'' میں ذکر کیا ہے۔[1]

فائدہ:

علامہ ابن سیرینؒ کی ''**كتاب التعبير**'' میں ہے کہ اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ اس کا جوتا پھٹ گیا ہے اور کچھ باقی نہ رہا، تو اس کی بیوی کا انتقال ہوگا، اور اگر خواب میں ایک جوتا

---

(۱) ابن خلكان، أبو العباس أحمد بن محمد، وفيات الأعيان (بيروت: دار صادر)، ج۱، ص: ۲۷۵.

پھٹ جائے یا نکل جائے اور دوسرا جوتا پہن کر چلے، تو یہ شریک، بھائی، یا بہن کے درمیان جدائی کی نشانی ہے۔[1]

کیا جوتا چھونا ناقض وضو ہے؟

کیا جوتے کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب:

فقہ شافعی کے مطابق وضو ٹوٹ جاتا ہے، لیکن یہاں جوتے سے مراد بیوی ہے۔

والله اعلم

☆☆☆

(۱)البصري، محمد بن سيرين، تعبير الرؤيا (أردن: مكتبة الجامعة الأردنية)، ص:۳۰۹.

مقامِ شکر و مسرّت ہے کہ دار العلوم وقف دیوبند کے شعبۂ تخصص فی الافتاء کے فاضل عزیزم مولوی محمد عمیر قاسمی معین مدرس دار العلوم وقف دیوبند نے اپنے مقالۂ سنویہ کے لیے امامِ محقق، فقیہِ دوراں حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے نہایت نفیس رسالہ ''غایۃُ المقال فیما یتعلّق بالنعال'' کو تحقیق، تنقیح اور باضابطہ ترجمہ کا موضوع اختیار کیا، عزیزِ مکرم نے جس عرقِ ریزی، دوامِ محنت، جستجوئے حقیقت اور علمی وقار کے ساتھ اس گراں قدر متن کی تحقیق و تدوین کا کام سرانجام دیا ہے وہ ان کے بلند علمی ذوق، فکرِ راسخ اور مذاقِ تحقیق میں پختگی اور روشن علمی مستقبل کے آثار کو نمایاں کرتا ہے کیونکہ ایسی کاوشیں محض معلومات کا ہی عنوان نہیں ہوتیں بلکہ اہتمامِ علم کے ساتھ تہذیبِ نفس اور تزکیۂ باطن کی آئینہ دار بھی ہوتی ہیں، درحقیقت، علم کی اصل حقیقت تطہیرِ باطن سے وابستہ ہے اور اس کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب اخلاصِ نیت دل و دماغ کی گہرائیوں میں راسخ ہو کر عمل پر دوام سے ہمکنار ہو جائے چنانچہ جب یہ دونوں عناصر تحصیلِ علم اور تزکیۂ نفس باہم متوازن انداز میں جلوہ گر ہوں تو ایک عالم کے لیے علمی و عملی بہر دو میدانوں میں قبولیت و رفعت کی راہیں ہموار ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور اس کی کوششیں عند اللہ بھی مقبول ہوتی ہیں اور عند الناس بھی ان کو تحسین و توقیر کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

Ḥujjat al-Islām Academy
Al-jamia al-Islamia Darululoom Waqf, Deoband
Eidgah Road, P.O.Deoband - 247554, Distt: Saharanpur U.P. India
Tel: +91 84394 12767, +91 92599 87074
Website: www.dud.edu.in
Email: hujjatulislamacademy@dud.edu.in, hujjatulislamacademy2013@gmail.com
ISBN 978-93-84775-47-6